ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

33

www.tanzeem.org

16 تا 22 ذوالقعدہ 1436ھ / یکم تا 7 ستمبر 2015ء

پاکستان کی بقا اور اس کی نظریاتی بنیاد

’’علامہ اقبال اور قائداعظم آپ کو اسلام کی بنیاد پر ایک وطن دے کر گئے ہیں۔ اقبال نے آپ کو فکر اور نظریہ دیا، اور قائداعظم کی قیادت میں آپ کو یہ وطن حاصل ہوا۔

اِس وطن کی انوکھی شان یہ ہے کہ اس کا نظریہ پہلے وجود میں آیا اور ملک بعد میں بنا۔ اگر اس ملک کے بنیادی نظریے کو یا دوسرے لفظوں میں اس کی نظریاتی بنیاد کو ہٹا دیا جائے تو یہ ملک قائم نہیں رہ سکتا۔ آج اس ملک کی نظریاتی بنیاد پر مختلف اطراف سے حملے کیے جا رہے ہیں، لیکن کیا آپ اس چیز کو جو اتنی محنتوں اور عظیم قربانیوں کے نتیجے میں حاصل ہوئی، یونہی اپنی غفلت اور کوتاہ ہمتی سے ضائع کر دیں گے؟

میں کہتا ہوں اگر آپ نے اس کو کھو دیا، تو تاریخ انسانی میں یہ بات ثابت کر دیں گے کہ یہ ایک بیوقوف قوم تھی جس نے لاکھوں جانوں، اَن گنت عصمتوں اور کروڑوں اور اربوں روپوں کی جائیدادیں قربان کر کے ایک وطن حاصل کیا، مگر اِس نعمت خداوندی کو کھو بھی دیا۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو تاریخ میں آپ کا مقام ایک بیوقوف اور ایک احمق قوم کی حیثیت سے باقی رہ جائے گا (بشرطیکہ آپ کی تاریخ کو باقی رہنے دیا گیا!)

اگر آج آپ نے سیکولرازم یا وطنی قومیت کے ذریعے کسی اور باطل ازم کو اختیار کیا، تو صرف یہی نہیں کہ آپ کی آزادی ختم ہو جائے گی بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ آپ کا وجود بھی ختم ہو جائے گا، اور مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ اسپین کے بعد تاریخ کا یہ دوسرا بھیانک المیہ ہوگا کہ اس برصغیر میں محمد رسول اللہ ﷺ کی اُمت کا خاتمہ ہو گیا۔‘‘

تفہیمات (پنجم)

سید ابوالاعلیٰ مودودی

اس شمارے میں

کشمیر مذاکرات منسوخ!
آیئے گریبان میں منہ ڈالیں

اللہ رب العزت کی معرفت کے مظاہر

پختہ عقائد سے تہی ضمیر

والدین کا ادب

سول ملٹری قیادت کے تعلقات

بت گری پیشہ کیا، بت شکنی کو چھوڑا

ستمبر 1965ء کی جنگ
’’...... ایں قصہ پارینہ را‘‘

تنظیم اسلامی کی دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

زمین میں اکڑ کر نہ چلو

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡل | بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ | آیات:37 تا 39

وَلَا تَمۡشِ فِی الۡاَرۡضِ مَرَحًا ۚ اِنَّکَ لَنۡ تَخۡرِقَ الۡاَرۡضَ وَلَنۡ تَبۡلُغَ الۡجِبَالَ طُوۡلًا ﴿۳۷﴾
کُلُّ ذٰلِکَ کَانَ سَیِّئُہٗ عِنۡدَ رَبِّکَ مَکۡرُوۡہًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِکَ مِمَّاۤ اَوۡحٰۤی اِلَیۡکَ رَبُّکَ مِنَ
الۡحِکۡمَۃِ ؕ وَلَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ فَتُلۡقٰی فِیۡ جَہَنَّمَ مَلُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ﴿۳۹﴾

آیت ۳۷ ﴿وَلَا تَمۡشِ فِی الۡاَرۡضِ مَرَحًا ۚ اِنَّکَ لَنۡ تَخۡرِقَ الۡاَرۡضَ وَلَنۡ تَبۡلُغَ الۡجِبَالَ طُوۡلًا ﴿۳۷﴾﴾ ”اور زمین میں اکڑ کر نہ چلو‘نہ تو تم زمین کو پھاڑ سکو گے اور نہ ہی پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکو گے۔“

تم جس قدر چاہو طاقت ور ہو جاؤ‘ اور ہماری زمین پر جتنا بھی اکڑ اکڑ کر اور پاؤں مار مار کر چل لو‘ تم اپنی طاقت سے زمین کو پھاڑ نہیں سکتے‘ اور جس قدر چاہو گردن اکڑا لو اور طرہ و دستار سے سر بلند کر لو‘ تم قد میں ہمارے پہاڑوں کے برابر تو نہیں ہو سکتے۔

آیت ۳۸ ﴿کُلُّ ذٰلِکَ کَانَ سَیِّئُہٗ عِنۡدَ رَبِّکَ مَکۡرُوۡہًا ﴿۳۸﴾﴾ ”ان سب باتوں کی برائی (کا پہلو) تیرے رب کو بہت ناپسند ہے۔“

یعنی یہ جتنے بھی احکام ہیں ان میں اوامر (Do's) بھی ہیں اور نواہی (Don'ts) بھی۔ جہاں کسی کام کے کرنے کا حکم ہے وہاں اسے نہ کرنا برائی ہے اور جہاں کسی کام سے روکا گیا ہے وہاں اس میں ملوث ہونا برائی ہے۔ اور نافرمانی اور برائی اللہ تعالیٰ کو ہر صورت میں ناپسند ہے۔

آیت ۳۹ ﴿ذٰلِکَ مِمَّاۤ اَوۡحٰۤی اِلَیۡکَ رَبُّکَ مِنَ الۡحِکۡمَۃِ ؕ﴾ ”یہ ہے جو (اے محمد ﷺ!) آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی کی ہے حکمت میں سے۔“

یہ احکامِ نوعِ انسانی کے لیے خزینہ حکمت ہیں۔ انسانی تہذیب و تمدن‘ ثقافت اور اجتماعیت کے ان اصولوں پر کاربند ہو کر انسان اسی دنیا میں اپنی اجتماعی زندگی کو جنت بنا سکتا ہے۔

﴿وَلَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ فَتُلۡقٰی فِیۡ جَہَنَّمَ مَلُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ﴿۳۹﴾﴾ ”اور مت ٹھہراؤ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود‘ ورنہ تم جھونک دیے جاؤ گے جہنم میں ملامت زدہ‘ دھتکارے ہوئے۔“

یہاں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ ان احکام میں اول و آخر توحید کا حکم دیا گیا ہے۔ آغاز میں ﴿وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ﴾ کے الفاظ آئے تھے‘ جبکہ آخر میں اسی مضمون کو ﴿وَلَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ﴾ کے الفاظ میں پھر دہرایا گیا ہے۔

فرمان نبویؐ

فخر سے پرہیز کرے

عَنۡ عِیَاضِ بۡنِ حِمَارٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ: ((اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اَوۡحٰی اِلَیَّ اَنۡ تَوَاضَعُوۡا حَتّٰی لَا یَبۡغِیَ اَحَدٌ عَلٰی اَحَدٍ وَلَا یَفۡخَرَ اَحَدٌ عَلٰی اَحَدٍ)) (رواہ مسلم)

حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی مجھے مطلع فرمایا ہے کہ تواضع و خاکساری اختیار کرو تاکہ نہ ایک دوسرے پر کوئی ظلم کرے، اور نہ باہم ایک دوسرے پر فخر و مباہات کا اظہار کرے۔“

کبریائی اور بڑائی دراصل صرف اس ذات پاک کا حق ہے جس کے ہاتھ میں سب کی موت و حیات اور عزت اور ذلت ہے۔ اب انسان اگر کبریائی اور بڑائی کا دعویدار ہو اور اللہ کے بندوں کے ساتھ غرور و تکبر اس کا رویہ ہو وہ گویا اپنی حقیقت بھول کر اللہ تعالیٰ کا حریف بنتا ہے، اس لیے وہ بہت بڑا مجرم ہے اور اس کا جرم نہایت سنگین ہے۔

اداریہ
مرزا ایوب بیگ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کشمیر مذاکرات منسوخ! آیئے گریبان میں منہ ڈالیں

کشمیر مسئلہ کیوں بنا، اس کی کوئی ایک وجہ نہ تھی۔ اولین اور اہم ترین وجہ یہ تھی کہ سفید سامراج پسپائی کے باوجود divide and rule کی پالیسی کو ترک کرنے کو تیار نہ تھا۔ اس کو خدشہ تھا کہ برصغیر کی تقسیم منصفانہ بنیادوں پر ہوگئی تو کل کلاں ہندو مسلم دشمنی ختم ہونے کی صورت میں پاکستان اور بھارت ایشیا کی متحدہ قوت بن سکتے ہیں اور یہ متحدہ قوت نئی ابھرتی ہوئی سپر پاور یعنی اپنے ہمسائے سویت یونین سے مل کر مغربی یورپ کے خلاف میدان میں اتر سکتی ہے۔ لہٰذا کشمیر جو بہت سے حوالوں سے ایک اہم سرزمین ہے، اُسے اِن دونوں کے درمیان جھگڑے کی بنیاد بنا دیا جائے تاکہ وہ اس مسئلہ پر باہم خون خرابہ کرتے رہیں۔ قائداعظم کے اِس بیان نے بھی کہ تقسیم کے بعد بھارت اور پاکستان امریکہ اور کینیڈا کی طرح دوست بن کر رہیں گے، سامراجیوں کو تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ پنڈت نہرو جو عملی سیاست میں ہندوؤں کے قائد تھے، کشمیری النسل تھے۔ انہیں کشمیر سے جذباتی وابستگی تھی۔ وہ ہر قیمت پر کشمیر کو بھارت کا حصہ بنانا چاہتے تھے۔ ان کے ماؤنٹ بیٹن کی فیملی کے ساتھ خصوصی اور ہر نوع کے اخلاقی اور غیر اخلاقی تعلقات تھے۔ لہٰذا انہوں نے ماؤنٹ بیٹن سے ایک غیر منصفانہ فیصلہ کروالیا۔ ضلع گورداس پور کشمیر اور بھارت کے ملاپ کا واحد زمینی راستہ ہے۔ برصغیر کی تقسیم کے طے شدہ فارمولے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مسلمانوں کی معمولی اکثریت کے اِس ضلع کو پاکستان کو دینے کی بجائے بھارت کو دے دیا گیا۔ اس ضلع میں قادیانیوں کی مناسب تعداد بھی آباد تھی جن کا حکومتی ریکارڈ میں اندراج بطور مسلمان کیا گیا تھا۔ انہوں نے روایتی اسلام دشمنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود کو غیر مسلم بیان کر دیا جسے بنیاد بنا کر یہ ضلع بھارت کو دیا گیا حالانکہ قانونی اور اصولی طور پر ان کے زبانی بیان کی کوئی حیثیت نہ تھی جبکہ وہ سرکاری ریکارڈ میں مسلمان تھے۔ اکتوبر 1947 میں بھارت نے کشمیر میں فوج بھیج دی جس کا مقابلہ کرنے کے لیے قائداعظم نے پاکستان کے انگریز فوجی کمانڈر ڈگلس گریسی کو حکم دیا، لیکن اس نے بوجوہ حکم ماننے سے انکار کر دیا جس پر قبائلیوں کی غیرت جاگی اور انہوں نے کشمیر پر حملہ کر دیا اور کشمیر کا وہ حصہ آزاد کروالیا جسے آج ہم آزاد کشمیر کہتے ہیں۔ یہاں اس بات کا تذکرہ کرنا مناسب ہوگا کہ ایک بڑے اردو اخبار کے سینئر کالم نویس لکھتے ہیں کہ قبائلیوں نے محض لوٹ مار کے لیے کشمیر پر حملہ کیا تھا۔ ہماری رائے میں یہ انتہا درجہ کی احسان فراموشی ہے۔ وہ یہ کیوں بھول گئے کہ قبائلیوں کے آزاد کردہ علاقوں کی وجہ سے ہی آج پاکستان کا چین سے زمینی راستہ ہے۔ بہرحال بھارت قبائلیوں کی بڑھتی ہوئی پیش قدمی دیکھتے ہوئے اقوام متحدہ کی طرف دوڑا اور ہماری حماقتوں کا سلسلہ یہیں سے شروع ہوا۔ ہم ایک ہزار سال سے ہندوؤں کے ساتھ رہ رہے تھے، ہم نے انگریز کے خلاف جنگ آزادی میں قدم قدم پر ہندوؤں سے چرکے کھائے تھے لیکن ہم پھر ہندو ذہنیت کو نہ سمجھ سکے اور اقوام متحدہ میں پنڈت نہرو کی اس یقین دہانی پر اعتبار کر لیا کہ ہندوستان کشمیر میں استصواب رائے کروائے گا اور قبائلی جو جموں کے ہوائی اڈہ پر قبضہ کرنے کو تھے، انہیں جنگ سے روک دیا گیا۔

1962 میں ہند چینی سرحدی جھڑپوں میں بھارت اتنا خوفزدہ ہوا کہ کشمیر سے ساری فوج نکال کر چین کی سرحد پر لے گیا۔ چین چیخ چیخ کر پاکستان کو کہتا رہا کہ سنہری موقعہ ہے، تمہیں کشمیر میں واک اوور مل جائے گا لیکن ایوب خان کو امریکہ یقین دہانی کراتا رہا کہ بھارت کی چین سے جنگ ختم ہوگی تو وہ مذاکرات کے ذریعے مسئلہ کشمیر حل کروا دے گا۔ لہٰذا پاکستان ایک بار پھر اسی سوراخ سے ڈسا گیا۔ مذاکرات ہوئے لیکن یہ سب کچھ ٹال مٹول کے سوا

ہفت روزہ لاہور
ندائے خلافت

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان، نظامِ خلافت کا نقیب

بانی: اقتدار احمد مرحوم

16 تا 22 ذوالقعدہ 1436ھ — جلد 24
یکم تا 7 ستمبر 2015ء — شمارہ 33

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
نائب مدیر: محمد خلیق
ادارتی معاون: فرید اللہ مروت

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 36316638-36366638-
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور-54700
فون: 35869501-03، فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا--------------------(2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر "مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

کچھ نہ تھا۔ ہم نے ایک اور حماقت کا مظاہرہ کیا، وہ یہ کہ 1965ء کی جنگ بغیر کسی منصوبہ بندی اور کشمیریوں کو اعتماد میں لیے بغیر شروع کر دی گئی۔ اس آپشن کو بھی سامنے نہ رکھا گیا کہ اگر بھارت نے انٹرنیشنل باڈر پر حملہ کر دیا تو ہمیں کیا کرنا ہوگا۔ پھر یہ کہ کشمیریوں نے بھی تعاون نہ کیا۔ بہر حال اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ میدانِ جنگ میں پاکستان کی کارکردگی اچھی تھی لیکن تاشقند میں یہ بازی ہار دی گئی۔ یہاں امریکہ نے پاکستان کو فریب دینے کے لیے سویت یونین کو استعمال کیا۔

1980ء اور 1990ء کے درمیان افغانستان کی جنگ میں سویت یونین کی شکست و ریخت میں پاکستان اگرچہ ملوث تھا لیکن یہ زعم بھی درست نہ تھا کہ یہ فتح ہم نے حاصل کی ہے۔ بہر حال مجاہدین کا رخ ایک بار پھر کشمیر کی طرف پھیر دیا گیا لیکن 2001ء میں نائن الیون کے بعد پرویز مشرف نے جو یوٹرن لیے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ کشمیر کے حوالہ سے ہم اپنے اصولی موقف سے ہٹ گئے۔ صحیح تر الفاظ میں ہم کشمیر سے اعلانیہ طور پر نہ سہی، عملی طور پر دستبردار ہو گئے۔ بعد ازاں غلط یا صحیح، ایک تاثر یہ قائم ہو گیا کہ فوج مسئلہ کشمیر کو صرف اِس لیے زندہ رکھنا چاہتی ہے تاکہ فوج کی اہمیت قائم رہے، جنگی تیاریوں کے نام پر بڑے بڑے بجٹ حاصل کیے جائیں اور دفاعی اداروں میں سرمائے کی ریل پیل رہے۔ پھر یہ کہ پاکستان میں پہلی مرتبہ یہ ہوا کہ فوج نے جس وزیر اعظم کا تختہ الٹ کر اُسے ملک بدر کیا تھا یعنی نواز شریف وہ سہ بارہ وزیر اعظم بن گئے۔ انہوں نے حلف اٹھاتے ہی ایسے اقدام کیے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ فوج کے رول کو ملک میں انتہائی محدود کر دیں گے چاہے انہیں پاکستان کے ازلی اور ابدی دشمن بھارت کے آگے کتنا ہی جھکنا پڑ جائے اور فوج مختلف محاذوں پر اتنی الجھ جائے اور کمزور ہو جائے کہ کل کلاں اس کے لیے یہ ممکن ہی نہ رہے کہ وہ سیاسی حکومت کا تختہ الٹ سکے۔ لیکن ایک بار پھر ان سے آرمی چیف کے چناؤ کے حوالہ سے ہمالائی غلطی ہوئی (یہ غلطی ان کے نقطہ نظر سے تھی)۔ انہوں نے ایسے شخص کو آرمی چیف مقرر کر دیا جو پاکستان دشمنوں کے حوالہ سے Zero tolerance یعنی مکمل عدم برداشت کا قائل ہے۔ اب ہندوستان کے حوالہ سے پاکستان کی پوزیشن یہ ہے کہ عسکری قیادت جس طرف پیٹھ کیے ہوئے ہے، سیاسی قیادت اُس طرف منہ کرنا چاہتی تھی۔ جنرل راحیل شریف اندرون ملک اپنے بعض اقدامات کی وجہ سے فوج اور عوام میں انتہائی مقبول ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے سیاسی حکومت انہیں فالو کرنے پر کراہت اور بے دلی سے مجبور ہے، لیکن اس کے بعض اقدامات سے اس کی اصل خواہش بھی سامنے آ رہی ہے۔ یہ کیفیت کشمیر پالیسی کو بری طرح متاثر کر رہی ہے۔ ہمارا یہ دوغلا پن دشمن پر بھی واضح ہے۔ لہٰذا وہ اِس حوالہ سے سرعام یعنی میڈیا پر ہمارا مذاق اڑا رہا ہے۔ تازہ ترین صورت حال یہ ہے کہ سیاسی حکومت اور نواز شریف کو بھارت کی طرف سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ روس میں شنگھائی کانفرنس کے موقع پر ان کی وزیر اعظم نریندر مودی سے ملاقات ہو سکتی ہے۔ اس اشارے پر سیاسی حکومت خصوصاً خود نواز شریف اتنے خوش اور جذباتی ہوتے ہیں کہ حکومت نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور حریت کانفرنس کے رہنماؤں کو دہلی میں پاکستانی ہائی کمیشن کی طرف سے افطار پارٹی کی دعوت جو پہلے ہی دی جا چکی تھی، منسوخ کر دی گئی تاکہ بھارت خوش ہو جائے اور ملاقات کے راستے میں کوئی شے رکاوٹ نہ بنے۔ روس کے شہر اوفا میں یہ ملاقات ہوئی جو بھارت کے پیش کردہ پانچ نکات کے گرد گھومتی رہی، جن میں صرف دہشت گردی اور بمبئی حادثہ وغیرہ پر بات ہوئی۔ ملاقات کے بعد بھارت کی طرف سے یہ بتایا گیا کہ آئندہ ڈی جی ایم اوز کی، پھر بعد ازاں N.S.A کی ملاقات ہوگی۔ پاکستان کی طرف سے مکمل خاموشی رہی جو نیم رضا مندی کا اظہار تھا۔ لیکن جب وزیر اعظم واپس آئے تو عوامی سطح پر اور میڈیا پر ایک طوفان کھڑا ہو گیا۔ ظاہر ہے فوج نے بھی ردعمل دیا ہوگا جو کسی طور پر مثبت نہیں ہوگا۔ اس پر ہمارے بوڑھے ضعیف مشیران خارجہ نے مختلف قسم کی تاویلات دینا شروع کیں جو بہر حال کسی طور بھی قابل قبول نہ تھی۔ اب جب N.S.A (نیشنل سکیورٹی ایڈوائزر) کی ملاقات طے ہوئی تو حکومت پاکستان اندرونی طور پر شدید دباؤ میں تھی۔ اسی دباؤ میں حریت کانفرنس سے بھی دہلی ملاقات طے کر لی۔ علاوہ ازیں یہ مطالبہ بھی کر دیا کہ بات کشمیر پر بھی ہوگی۔ بھارت نے یہ موقف اختیار کیا کہ مذاکرات تو اوفا میں طے شدہ فریم ورک میں ہونا تھے جس میں کشمیر کا سرے سے کوئی ذکر نہیں تھا۔ بھارت کا موقف یہ تھا کہ کشمیر پر بات صرف Composite dialogue یعنی جامع مذاکرات میں ہوگی۔ بھارت کو حریت کانفرنس سے پاکستانی وفد کی ملاقات پر بھی اعتراض تھا، البتہ یہ اعتراض صریحاً غلط تھا کیونکہ اس اعتراض کی بنیاد یہ بتائی گئی کہ شملہ معاہدہ میں طے ہوا تھا کہ باہمی معاملات میں کسی تیسری پارٹی کو فریق نہیں بنایا جائے گا۔ بھارت نے N.S.A کی ملاقات کے حوالہ سے پاکستان کو اپنی شرائط سے آگاہ کیا جس پر وزیر اعظم نواز شریف اور جنرل راحیل شریف میں ملاقات ہوئی۔ ہم یہی اخذ کر سکتے ہیں کہ جنرل راحیل شریف شرائط قبول کرنے پر راضی نہیں ہوئے اور مذاکرات منسوخ ہو گئے۔ اس پس منظر میں ہم مذاکرات کی منسوخی کو سمجھیں تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ بھارت حق بجانب تھا۔ پاکستان نے ان مذاکرات کے حوالہ سے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ کیونکہ کشمیر کور ایشوز ہے لہٰذا اس پر بات لازماً ہونا چاہیے۔ سوال یہ ہے کہ اگر کشمیر کور ایشو ہے تو روس میں نواز شریف نے اِس مسئلہ کو مذاکرات کا حصہ کیوں نہ بنایا؟ اس وقت کیوں خاموشی اختیار کی؟ جو مشترکہ اعلامیہ جاری کیا گیا اس میں کشمیر کا ذکر کیوں نہ ہوا؟ جو N.S.A کی ملاقات کے لیے فریم ورک بنا تھا اس میں کشمیر کو کیوں شامل نہ کرایا گیا؟ اب اگر وزیر اعظم نواز شریف عوامی دباؤ یا میڈیا کی چیخ و پکار یا جنرل راحیل شریف کی چھڑی سے مجبور ہو کر مذاکرات میں زبردستی کشمیر کو گھسانا چاہتے ہیں تو بھارت اس کو کیوں قبول کرے؟ یہ نواز شریف اور حکومت پاکستان کی مجبوری ہے، بھارت کی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نواز شریف کو ہندو ذہنیت کو سمجھنا ہوگا۔ بھارت کے آگے لیٹنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اس لیے کہ ہندو جبلت یہ ہے کہ منہ سے رام رام کرتے ہوئے اُس نے جو چھری بغل میں دبائی ہوتی ہے اسے وہ اپنے آگے جھکنے والے کی پیٹھ میں گھونپ دیتا ہے۔ بھارت اگر منصفانہ طریقہ سے پاکستان سے مسائل طے کر لے تو ہمیں ہرگز اُسے دشمن گردانے کی ضرورت نہیں لیکن اُس کی دوستی سے ہر صورت بچنا ہوگا۔ یہی ہزار سالہ اشتراک کا سبق ہے جو ہمیں بھولنا نہیں چاہیے۔

ہمارے جسم اور کائنات میں ہر جگہ موجود ہیں

اللہ رب العزت کی معرفت کے مظاہر

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، لاہور میں امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ کے 21 اگست 2015ء کے خطابِ جمعہ کی تلخیص

تذکیر بالقرآن کے ضمن میں سورۃ الملک کا مطالعہ جاری ہے اور آج ان شاء اللہ ہم اس سورت کا مطالعہ مکمل کر لیں گے۔ اس سورۃ میں کائنات سے متعلق اصل حقائق، جنہیں ہم ایمانیات بھی کہتے ہیں، کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ کائنات خود بخود وجود میں آ گئی ہے یا اس کا کوئی خالق ہے؟ اگر کوئی خالق ہے تو وہ کون ہے اور اس کی صفات کیا ہیں؟ تخلیق کے بعد بھی کیا اس ذات کا اس کائنات پر کوئی کنٹرول ہے یا یہ اپنے لگے بندھے قوانین کے تحت خود چل رہی ہے؟ ہم از خود پیدا ہو گئے ہیں یا ہمارا بھی کوئی خالق ہے اور ہمارا مقصدِ حیات کیا ہے؟

یہ وہ بنیادی سوالات ہیں جو کسی کے ذہن میں سرسری طور پر آتے ہیں اور وہ ٹال جاتے ہیں، مگر کچھ لوگ اپنی افتادِ طبع کی وجہ سے ان سوالات پر غور و فکر پر مجبور ہوتے ہیں اور ان کے جواب کی تلاش میں جنگلوں میں نکل پڑتے ہیں اور صحرا کی خاک چھانتے ہیں۔ گوتم بدھ نے بھی اسی کی فکر میں اپنے محل اور ساری تعیشات کو چھوڑ کر جنگلوں میں جا کر بسیرا کیا تھا۔ لیکن آج دنیا کی دجالیت اتنی غالب آ گئی ہے کہ دانشور طبقہ یہ درس دے رہا ہے کہ ان سوالات پر غور و فکر کرنا وقت کا ضیاع ہے، لہٰذا ان کو ذہن سے جھٹک دو۔ اس کے پس منظر میں یورپ، امریکہ اور عیسائی ورلڈ ہے۔ پاپائیت کے دور میں یورپ پستی اور جہالت کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے دین کا حلیہ بگاڑ دیا تھا اور اس کے نتیجہ میں جو خرابیاں پیدا ہوئیں، اس سے ان کے دلوں کے اندر مذہب سے ایک نفرت پیدا ہو گئی۔ اس دور میں اسلام کا عروج نصف النہار پر تھا اور یورپ بقول ان کے اس وقت Dark Ages سے گزر رہا تھا اور اس دور میں عقل و ذہن پر بھی پہرے تھے۔ اس کا بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ کے اندر احیائی تحریکوں نے جنم لیا اور پھر یہ تصور اُبھرا کہ سائنس ہی اصل حقیقت ہے اور مذہب، مذہبی سوالات، خیالات اور فلسفہ یہ ساری دقیانوسی باتیں ہیں۔ چنانچہ انہوں نے مذکورہ بالا بنیادی حقائق سے صرفِ نظر کر لیا۔ اسی کے بارے میں اقبال نے کہا تھا کہ ؎

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

یعنی انسان ستاروں کی گزرگاہیں اور ستاروں کی عمریں دریافت کر رہا ہے، لیکن بنیادی سوالات کو دانستہ طور پر اس نے ذہن سے جھٹک دیا ہے۔

ان سوالات کا اصل جواب وحی کے ذریعے ملتا ہے

مرتب: حافظ محمد زاہد

اور وحی کی کامل ترین شکل قرآن مجید کی صورت میں آج ہمارے پاس موجود ہے۔ ہمارے زیر مطالعہ سورت میں بھی انہی حقائق کا ذکر ہے۔ اُن میں سے ایک بڑی حقیقت یہ ہے کہ انسان کا مقصدِ تخلیق امتحان ہے۔

﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ﴾ (آیت 2)

''جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے اعمال کرنے والا ہے۔''

اب ہم سورت کی بقیہ آیات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ہمارا مطالعہ آیت 22 تک پہنچا تھا، اس میں فرمایا:

﴿اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰي وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۲۲﴾

''تو کیا وہ شخص جو اپنے منہ کے بل گھسٹ رہا ہے زیادہ ہدایت پر ہے یا وہ جو سیدھا ہو کر چل رہا ہے ایک سیدھے راستے پر؟''

اس آیت میں دو قسم کے اشخاص کا تذکرہ ہے۔ ایک وہ ہے جس نے اپنی منزل کا تعین کیا ہے اور پورے شعور کے ساتھ اسی رخ پر چل رہا ہے، جبکہ ایک وہ ہے جو صرف اپنی جنسی خواہشات کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ جانوروں اور انسانوں میں بھی بنیادی فرق یہی ہے کہ حیوانات کو نہ شعورِ حیات حاصل ہے اور نہ وہ خالق و مالک کی معرفت کے حوالے سے کسی آزمائش میں ڈالے گئے ہیں۔ چنانچہ ان کا رخ زمین کی طرف ہی ہوتا ہے اور وہ اپنی جبلی اور نفسانی خواہشات کے تحت زندگی گزارتے ہیں۔ اب جو شخص اپنی اصل منزل کو نہیں پہچانتا تو حقیقت میں وہ حیوانی سطح پر زندگی گزار رہا ہے اور اس میں اور حیوان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اگلی آیت میں یہ بیان کیا گیا کہ اللہ کی معرفت کے مظاہر کائنات میں بھی ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں حتیٰ کہ انسانی جسم میں بھی موجود ہیں، لہٰذا اپنے اندر جھانک کر بھی اللہ کی معرفت حاصل ہو سکتی ہے۔ فرمایا:

﴿قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۲۳﴾

''کہہ دیجیے کہ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل بنائے۔ بہت ہی کم شکر ہے جو تم لوگ کرتے ہو۔''

اگر انسان کو معرفت حاصل ہو جائے کہ جو کچھ اس کائنات میں ہے اس کا ایک مالک اور خالق ہے اور پوری کائنات میں اسی کا جلوہ اور اسی کا ظہور ہے۔ یعنی

معمور ہو رہا ہے عالم میں نور تیرا
از ماہ تا بہ ماہی سب ہے ظہور تیرا

جب یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ اللہ ہمارا رب ہے' ہمارا خالق و مالک ہے اور ہم اس کے بندے ہیں، ساری نعمتیں اس نے ہمیں عطا کی ہیں اور شرف انسانیت اس نے ہمیں بخشا ہے تو پھر شکر کا تقاضا یہ ہوگا کہ بندگی ہم صرف اسی کی کریں۔ سورۃ الفاتحہ کے اندر ایک سلیم الفطرت شخص کے دل کے احساسات کی ترجمانی بایں الفاظ کی گئی ہے: ﴿اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ۝﴾ اے اللہ! ہمیں تیری معرفت حاصل ہوگئی ہے، اب ہم صرف تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے اور صرف تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں اور مانگتے رہیں گے۔ بندگی صرف اسی کی ہوگی اس لیے کہ وہ ہمارا خالق' مالک اور ہمارا رب ہے جبکہ سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے لہٰذا ہم صرف اسی سے مانگیں گے۔ اس نے ہمیں سب کچھ عطا کیا ہے' لہٰذا وہ ہمارا سب سے بڑا محسن ہے تو ہم اسی کا حکم مانیں گے اور اسی کے وفادار بن کر رہیں گے۔

دنیا میں بھی کوئی شخص اپنے خادم یا غلام سے دو چیزیں چاہتا ہے: (i) میں اس کی ہر ضرورت پوری کرتا ہوں لہٰذا یہ میرا ہر حکم مانے۔ اگر وہ نہیں مانتا تو ظاہر بات ہے آقا ناراض ہوگا اور سزا بھی دے گا۔ (ii) آقا چاہتا ہے کہ غلام صرف اور صرف میرا وفادار بن کر رہے۔ اس کا کوئی رابطہ' کوئی تعلق، کوئی ہمدردی میرے دشمنوں کے ساتھ نہیں ہونی چاہیے۔ اگر ایسی بات ہے تو یہ ناقابل معافی جرم ہے اور وہ گردن زدنی قرار پائے گا کہ غلام میرا ہے اور وفاداری میرے دشمن کے ساتھ ہے۔

اس تناظر میں غور کیجیے کہ ہم اللہ کو ماننے کے باوجود نہ اس کا حکم ماننے کو تیار ہیں اور نہ اس کے ساتھ وفاداری کرنے کو تیار ہیں۔ اور پھر جو اس کے سب سے بڑے دشمن اور باغی ہیں، ہم ان کی صف میں کھڑے ہیں اور ان کے نظام کو ہم یہاں پر چلا رہے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ اس ضمن میں اپنی عقل کو استعمال کریں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ عقل اور سوچنے سمجھنے والا دل اسی لیے دیا ہے۔ اپنے غلام اور ملازم کے حوالے سے تو ہمارے جذبات یہ ہوں کہ ہم چاہیں کہ وہ ہماری ہر بات بھی مانے اور وفاداری بھی ہمارے ساتھ رکھے' جبکہ دوسری طرف ہم اپنے حقیقی خالق و مالک کے ساتھ معاملہ یہ کر رہے ہوں کہ اس کے دشمنوں اور باغیوں کے ساتھ تعلق روا رکھے ہوں۔ حالانکہ ہمارا اصل خالق حقیقی اللہ عزوجل ہے جس نے ہمیں سماعت بھی دی' بصارت بھی دی' سوچنے سمجھنے کے لیے دل و دماغ بھی دیا۔

لفظ ''فواد'' کا ترجمہ عام طور پر ''دل'' کیا جاتا ہے' لیکن اصل میں اس سے مراد انسان کی وہ صلاحیت ہے جس کی مدد سے وہ دستیاب معلومات کا تجزیہ کر کے نتائج اخذ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ تمام صلاحیتیں اپنی معرفت کے لیے دی ہیں' لیکن انسان ہے کہ اپنے اندر بھی جھانک کے نہیں دیکھنا چاہتا۔ اقبال نے کہا تھا کہ ؎ ''اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی'' لیکن اس کے لیے بھی انسان آج تیار نہیں ہے۔ پھر باطن کے اندر بھی اللہ کی بڑی گواہیاں موجود ہیں' لیکن انسان اس پر غور نہیں کرتے، تو ایسے لوگ حیوان بن کر زندگی بسر کر رہے ہیں اور ان میں اور حیوانوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ قرآنی تعلیمات کے مطابق تو ایسے لوگ حیوانوں سے بھی بدتر ہیں۔

اگلی آیت میں اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا:

﴿قُلۡ هُوَ الَّذِیۡ ذَرَاَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَاِلَیۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۲۴﴾﴾

''کہہ دیجیے اُسی نے تمہیں پھیلا دیا ہے زمین میں اور اُسی کی طرف تم اکٹھے کر دیے جاؤ گے۔''

اس وقت اس کرہ ارضی کے اوپر سات ارب کی آبادی ہے اور ان سب کا خالق ایک ہی ہے اور پھر سب کو موت بھی وہی دے گا اور پھر سب کو حساب کتاب کے لیے میدانِ محشر میں جمع بھی کرے گا۔ اگر تم میدانِ حشر میں نہ بھی جانا چاہو' پھر بھی وہ تمہیں جمع کرے گا اس لیے کہ اب تمہارا اختیار ختم ہو چکا ہے۔ تمہارا اختیار تو دنیوی زندگی کی حد تک تھا۔ نہ پیدا ہونے میں تمہارا کوئی اختیار ہے اور نہ موت میں تمہارا کوئی اختیار ہے۔ ہاں اس زندگی کے دوران اللہ نے امتحاناً کچھ اختیار تمہیں دیا تھا اور پھر وقوعِ قیامت کے بعد سب کو اللہ تعالیٰ میدانِ حشر میں جمع کرے گا۔ تو جو لوگ آخرت کا انکار کرتے ہیں ان کی بھی پیشی ہو کر رہے گی اور وہ اس سے کسی صورت بچ نہیں سکیں گے۔

اگلی آیت میں قیامت کے بارے میں کفار کے ایک سوال کا تذکرہ ہے جو ان کی ڈھٹائی کا مظہر ہے۔ فرمایا:

﴿وَیَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۲۵﴾﴾

''وہ کہتے ہیں کب پورا ہوگا یہ وعدہ؟ اگر تم سچے ہو (تو بتاؤ)!''

اس سوال کے اندر ہی یہ بات پوشیدہ ہے کہ ایسا نہیں ہے کہ اگر ان کو تاریخ بتا دی جائے کہ فلاں وقت میں قیامت واقع ہوگی تو یہ ایمان لے آئیں گے۔ نہیں' بلکہ یہ محض انکار اور ڈھٹائی کا ایک انداز ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ہم سب کو معلوم ہے کہ ہر شخص نے مرنا ہے اور کوئی شخص یہ کہے کہ مجھے بتاؤ کہ میری موت کا وقت کون سا ہے' تب میں مانوں گا۔ اسی قسم کا سوال یہ ہے کہ ہم آخرت کو تب مانیں گے جب تم اس کی کوئی تاریخ بتاؤ۔

قرآن مجید میں کم سے کم چھ سات جگہ ان کا یہ مطالبہ آیا ہے کہ ہمیں قیامت کی تاریخ بتا دی جائے۔ اس کے جواب میں ان سے کہا گیا کہ اس قیامت کے برحق ہونے پر کوئی شک نہیں ہے۔ اس کے بارے میں عقلی دلیل بھی ہے۔ اگر تم اس کائنات کے نظام پر غور کرو گے تو اس نتیجہ پر پہنچو گے کہ انسان کو سزا یا جزا بھی ملنی چاہیے' ورنہ صحیح اور غلط کا تصور بے معنی ہو جائے گا۔ اب یہ جزا و سزا دنیا میں تو ملتی نہیں ہے۔ یہاں تو ظالم اور دوسروں کے خون نچوڑ کر پینے والوں کو کامیابیاں ملتی ہیں اور ان کے انتقال پر ان کو بڑا عزت و اکرام بھی دیا جاتا ہے۔ لہٰذا عقل تقاضا کرتی ہے کہ کوئی ایسا عالم ہو جہاں اچھے لوگوں کو انعام اور بروں کو سزا ملے۔

قیامت کے حوالے سے یہ عقلی دلیل بھی موجود ہے اور تمام انبیاء اور رسول بھی اس کے بارے میں بتاتے رہے ہیں اور وہ سب کے سب الصادق اور الامین تھے۔ لیکن قوم نے ان کی بات نہیں مانی اور طرح طرح کے سوال کر کے اپنی ڈھٹائی کا ثبوت دیا اور از رہ طنز پوچھتے رہے کہ قیامت کب آئے گی۔

اگلی آیت میں وقوعِ قیامت کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے کہلوایا جا رہا ہے کہ:

﴿قُلۡ اِنَّمَا الۡعِلۡمُ عِنۡدَ اللّٰهِ ۪ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۲۶﴾﴾

''کہہ دیجیے کہ یہ علم تو اللہ ہی کے پاس ہے، اور میں تو بس ایک واضح طور پر خبردار کر دینے والا ہوں۔''

قیامت کب آئے گی، اس کا علم تو صرف اور صرف اللہ کے پاس ہے۔ باقی تم جانو، تمہارا کام، میں نے تو بس تمہیں بتا دیا ہے کہ وہ دن آنا ہے' لہٰذا اس کے لیے تیاری کر لو۔

اگلی آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ جب قیامت برپا ہو جائے گی اور کفار عذاب کو اپنے سامنے دیکھیں گے تو ان کے چہرے بگڑ جائیں گے:

﴿فَلَمَّا رَاَوۡهُ زُلۡفَةً سِیۡٓـَٔتۡ وُجُوۡهُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَقِیۡلَ هٰذَا الَّذِیۡ کُنۡتُمۡ بِهٖ تَدَّعُوۡنَ ﴿۲۷﴾﴾

''پھر جب وہ دیکھیں گے اس کو اپنے قریب آتے تو ان کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے، اور کہا جائے گا' یہ ہے وہ چیز جس کا تم مطالبہ کرتے تھے۔''

ہماری وعیدوں اور تنبیہات کے جواب میں تم لوگ طنزیہ انداز میں کہا کرتے تھے کہ لاؤ دکھاؤ کیسی ہے وہ جہنم! لاؤ ابھی لے آؤ ہمارے اوپر وہ عذاب موعود! تو لو دیکھ لو اب' یہ ہے جہنم! تمہارا اصل اور دائمی ٹھکانہ!

اگلی آیت میں فرمایا:

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢٨﴾﴾

''(اے نبی ﷺ!) ان سے کہیے کہ اگر اللہ مجھے اور جو لوگ میرے ساتھ ہیں' ان کو ہلاک کر دے یا وہ ہم پر رحم کرے' تو کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا؟''

خاص طور پر اس کے پس منظر میں یہ تھا کہ آنحضور ﷺ کو بھی جادوٹونے کے ذریعے ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ تو اس آیت میں حضور ﷺ سے کہلوایا جا رہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہو جائے اور وہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو بھی موت دے دے اور تمہیں اس زمین پر غلبہ حاصل ہو جائے تو تم جو اللہ کا انکار ڈھیٹ بن کر کر رہے ہو تو تمہیں اللہ کے عذاب سے کون بچائے گا۔

﴿قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٩﴾﴾

''(اے نبی ﷺ!) آپ کہیے کہ وہ تو رحمٰن ہے' ہم اس پر ایمان لا چکے ہیں اور اُسی پر ہمارا توکل ہے۔ تو عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کھلی گمراہی میں کون تھا!''

ایک طرف وہ بہت بڑا شہنشاہ ہے جس کے قبضہ میں کل اختیار ہے اور دوسری طرف وہ بہت مہربان بھی ہے اور ہم اس کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ تم ہمارے ساتھ جو چاہے کرو ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اسی پر ہمارا بھروسا ہے۔ آنے والا وقت واضح کر دے گا کہ ہم گمراہ تھے یا تم۔

سورۃ الملک ابتدائی دور کی مکی سورتوں میں سے ہے' لیکن بہرحال کوئی بہت عرصہ نہیں گزرا کہ ہر چیز واضح ہوگئی۔ اسلامی حکومت بھی قائم ہوگئی اور آنحضور ﷺ کی رحمت کا ظہور بھی ہوا۔ جس طریقے سے فتح مکہ کے اندر آپؐ نے اپنے جانی دشمنوں کو معاف کیا' پوری انسانی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ سب کی آنکھیں کھل گئیں اور پھر کفار کی عظیم اکثریت ایمان بھی لے آئی۔

آخری آیت میں فرمایا:

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿٣٠﴾﴾

''آپؐ کہیے کہ ذرا سوچو! اگر تمہارا پانی گہرائی میں اُتر جائے تو کون ہے جو لائے گا تمہارے پاس صاف' نتھرا ہوا پانی؟''

اللہ تعالیٰ نے پانی کو حیات کا بھی اور بقائے حیات کا بھی ذریعہ بنایا ہے۔ اسی طریقے سے پھل، نباتات اور انسان کی غذا کا دارومدار بھی پانی پر ہے۔ اب اگر زیرِ زمین پانی کی سطح نیچے اتر جائے تو تمہارا کون سا معبود ہے جو اس کو واپس لا سکے۔ اگرچہ اب ہم سائنسی ترقی کے ذریعے سے کافی نیچے سے بھی پانی کھینچ لیتے ہیں' لیکن آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت دنیا میں کہا جا رہا ہے کہ آخری جنگیں اصل میں پانی پر ہی ہوں گی۔ ایک کڑوا پانی ہے جس کی کمی نہیں ہو گی' لیکن میٹھا پانی جو زندگی کا ذریعہ ہے' سب سے بڑا مسئلہ اس کا ہے۔ یہ پانی اور اس کے علاوہ باقی سب نعمتیں اللہ کی عطا کردہ ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کو سلب کر لے تو کون ہے جو تمہیں ان نعمتوں کو واپس دلا سکے۔

اس سوال پر یہ سورۂ مبارکہ ختم ہوئی ہے کہ ذرا غور کرو اور اپنے اندر جھانکو۔ محمد رسول اللہ ﷺ تمہیں جن باتوں کی خبر دے رہے ہیں' وہ تمہیں اپنے باطن کے اندر نظر آئیں گی اور تمہارا دل گواہی دے گا کہ حق یہی ہے۔

پریس ریلیز 27 اگست 2015ء

مدارس میں علمائے حق دینی علوم کے محافظ کا کردار ادا کر رہے ہیں (حافظ عاکف سعید)

قرآن وحدیث کے ساتھ مغربی علوم کا حصول دورِ حاضر کی اہم ضرورت ہے (ڈاکٹر ابصار احمد)

بخاری شریف محض کتاب نہیں نظام الحیات ہے (مولانا یوسف خان)

مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام کلیۃ القرآن میں درس نظامی کے طلبہ کو دورہ حدیث کی افتتاحی تقریب سے خطاب

مدارس میں علمائے حق دینی علوم کے محافظ کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ امت مسلمہ کو سوشل سائنسز پر دسترس حاصل کرنی چاہیے۔ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی **حافظ عاکف سعید** نے کلیۃ القرآن لاہور میں درس نظامی کے طلبہ کے لیے دورہ حدیث کلاس کی افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ انہوں نے کہا کہ ابلیسی قوتیں دینی تعلیمات کو پراگندہ کرنا چاہتی ہیں اور احادیث کی صداقت پر انتہائی غلط اعتراضات اُٹھائے جا رہے ہیں لیکن یہ امت مسلمہ کی خوش قسمتی ہے کہ قرآن پاک ہم میں ''حرفاً'' موجود ہے اور حدیث ''مفہوماً'' موجود ہے۔ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات بذریعہ احادیث ایک تسلسل اور استاد و شاگرد کے پاکیزہ رشتے کے ذریعے ہم تک پہنچی ہیں اور اس رشتے کے بغیر عالم دین بننے کی جدوجہد سعی لاحاصل ہے۔ انہوں نے کہا کہ درس نظامی ماضی میں حکومتی نصاب رہا ہے۔ برصغیر میں انگریزوں کے ناروا سلوک کی وجہ سے علماء نے ردِعمل کے طور پر درس نظامی سے عصری علوم بشمول انگریزی زبان کا مکمل بائیکاٹ کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے دینی مدارس میں عصری علوم پر توجہ ضرور دی جانی چاہیے لیکن دینی علوم کو بہرحال فوقیت حاصل رہنی چاہیے۔

مرکزی انجمن خدام القرآن کے صدر **ڈاکٹر ابصار احمد** نے تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ قرآن وحدیث کے علوم کے ساتھ مغربی علوم کا حصول دورِ حاضر کی اہم ترین ضرورت ہے۔ کلیۃ القرآن عصری اور اسلامی علوم کا حسین امتزاج ہے۔ الہامی ہدایت یعنی قرآن مجید کی موجودگی ہمارے لیے باعث رحمت و برکت ہے۔ علوم حدیث کا متبادل کوئی علم نہیں۔

مہمان خصوصی استاد الحدیث جامعہ اشرفیہ **مولانا محمد یوسف خان** نے درس نظامی کے طلبہ کو دورہ حدیث کا پہلا سبق پڑھاتے ہوئے کہا کہ بخاری شریف محض کتاب ہی نہیں نظام الحیات ہے۔ انہوں نے طلبہ کو سند حدیث اور ابواب حدیث سے بھی آگاہ کیا اور کہا کہ یہ بڑے اعزاز کی بات ہے کہ کلیۃ القرآن پنجاب میں درس نظامی کے ساتھ عصری علوم میں ایم۔ اے کروانے والا پہلا ادارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے منتظمین کی کاوشوں کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔

(جاری کردہ: ناظم نشر واشاعت انجمن خدام القرآن، لاہور)

پختہ عقائد سے تہی ضمیر

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

الجزائر، تیونس، مصر کو دیکھتے رہنے کی ضرورت ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ دجالی قوتوں کا مسلم ممالک کے لیے ایجنڈہ ایک ہی ہے۔ مصر میں سالہا سال اخوان کے ساتھ جو کچھ ہوتا رہا۔ ہم وہ داستانیں پڑھتے تھے اور سوچتے تھے کہ پاکستان میں یہ سب ممکن نہیں۔ اتنی وحشت، اتنی درندگی، اہل ایمان کے ساتھ ایسا سلوک۔ ناممکن! مگر پرویز مشرف کے دور میں 9/11 کے بعد صلیبی جنگ کے تناظر میں ہمارے ہاں سے لوگ تربیت کے لیے مصر جانے لگے۔ ماتھا ٹھنکا۔ اور پھر نتائج سامنے آنے لگے۔ اب الجزائر میں صدر عبدالعزیز بوتفلیقہ کے ہاتھوں بے شمار تبدیلیاں ہوتی رہیں اور جاری ہیں۔ اس وقت خالص فصیح عربی زبان کی جگہ فرنچ زدہ عامیہ پرائمری سکول میں رائج کر دی گئی ہے۔ عربی زبان کو بے دخل کرنا اور اسلامی عربی شناخت ختم کرنا مقصود ہے جس پر فرانس پانی کی طرح پیسہ بہا رہا ہے۔ یہ مغربی ممالک قدرتی آفات میں گھری انسانیت از قسم سیلاب، زلزلہ، قحط پر تو ٹکا خرچ کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ البتہ مسلم شناخت ختم کرنے، راگ رنگ تماشوں، بہبود آبادی کے نام پر مسلم آبادیوں کا قحط برپا کرنے میں سب سے آگے ہیں۔ تجوریوں کے منہ کھل جاتے ہیں! اس پورے قضیے میں اہم ترین بات یہ ہے کہ جس صدر کو الجزائر پر مسلط کر رکھا ہے اس کی واحد لیاقت و صلاحیت فرانسیسی غلام ہونا ہے۔ فالج، رعشہ، عارضۂ قلب اور الزائمرز (بتدریج یادداشت کھونے کا مرض) کا مریض ہے۔ اسم باسمٰی کٹھ پتلی، یعنی خود (آزادانہ) چلنے پھرنے سے بھی قاصر۔ 78 سال کی عمر میں وہیل چیئر پر حکمرانی کے فرائض انجام دے رہا ہے۔ آزادی کے لیے ضرب المثل قربانیاں دینے والے الجزائر پر یہ دن بھی آنا تھا! ایک مرتبہ کشمیری وفد، آزادیٔ کشمیر کے لیے رہنمائی لینے الجزائر گیا۔ تو وقت کی قیادت نے اپنے دفتر کے عقب کی طرف کھلنے والی کھڑکی سے حدِ نظر تک پھیلا قبرستان دکھا کر آزادی کی قیمت سمجھائی تھی! کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا! مگر کیا کیجیے کہ قوموں کی زندگی میں بھی ایک لحظہ کی غفلت بوتفلیقوں کو لا کھڑا کرتی ہے۔ جس نے ایک آزاد مسلم ملک کو گویا وہیل چیئر پر بٹھا دیا جسے فرانس دھکیل رہا ہے۔ یوں تو تمام مسلم ممالک کی قیادت کفر کے آگے مفلوج، اوباما کے آگے رعشہ زار، اپنی مسلم شناخت کھوئے بھلائے ہوئے، الزائمرز کی مریض ہی ہے۔ رہا عارضۂ قلب، تو دلوں کے امراض کی شفاء (شفاء لمافی الصدور) قرآن سے محروم ہیں۔ چنانچہ دلوں کا زنگ، سقاوت قلبی، دل کی ٹیڑھ، دل کا اندھا پن، دل پر مہر، قفل پڑ جانے کی مریض قیادتیں نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر (کیا بدنصیبی ہے!) دیکھی جا سکتی ہیں۔ بیماریوں میں سے اس دور کی سب سے بڑی بیماری دنیا سے محبت، موت سے نفرت و فرار وھن، امت کی ذلت و نکبت کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ حب دنیا، حب جاہ، حب مال دیکھنا ہو تو مسلم دنیا کے حسنی مبارک، بوعلی، قذافی سے لے کر پوری فہرست سربراہان (59 ممالک) کے اثاثے دیکھ لیجیے۔ بات سمجھ آ جائے گی۔ کیا مسلمانوں کی قیادت الزائمرز کے مریض کریں گے؟ جس مرض سے ذہنی صلاحیتیں ماؤف، یادداشت گم، تدبر و تفکر کا ملکہ ختم ہو جاتا ہے۔ توجہ مرکوز نہیں کر سکتا۔ ذہن انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔ گھر کا راستہ بھول جاتا ہے۔ چیزیں جگہ سے بے جگہ کر دیتا ہے۔ استری فریج میں، گھڑی چینی دان میں، قرآن تالے میں، حافظ، عالم زندان خانوں میں۔ بدمعاش چور اچکے مناصب کی کرسیوں پر لا دھرتا ہے۔ گفتگو کا ربط ختم۔ بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔ سو مسلم دنیا پر الزائمرز کی حکمرانی ہے آج۔ جیسا راجا ویسی پرجا۔ سو دیکھ لیجیے نوجوان کیا کر رہے ہیں۔ قصور، جہلم، گلگت کے سانحات میں شرمناک کردار اپنی جگہ۔ اعلیٰ تعلیمی ادارے جامعہ کراچی کے پبلک ایڈمنسٹریشن کے شعبے میں منی لانڈرنگ کیس کی مایہ ناز ماڈل کو لیکچر کے لیے بلایا گیا۔ گرہی مکتب وہی اساتذہ۔ کار طفلاں تمام خواہد شد! یہ نوجوان جنہوں نے ان کی صلاحیتوں سے فیض یاب ہونے کو مدعو کیا تھا (ماڈل نمونے کی خاتون جو ٹھہری!) اس کے ساتھ سلفیاں لیتے رہے۔ دیگر تمام شعبہ جات کے طلباء حتیٰ کہ اساتذہ بھی زانوئے تلمذ تہہ کیے ان کے حضور بیٹھے رہے! اعلیٰ تعلیم کی معراج اور کیا ہو گی! ترقی کی ساری منزلیں سر ہو گئیں! اب ہم بوتفلیقوں میں خود کفیل ہو جائیں گے! (خدانخواستہ!) ادھر نجانے کیوں ای سی ایل میں اس سرچشمۂ علوم مالیہ کا نام ڈالنے کی درخواست بھی دائر کی گئی ہے۔ شاید اس لیے کہ اگر ایان علی پاکستان چھوڑ کر باہر چلی گئی تو ترقی کیسے کریں گے؟ ایک اور واقعہ طالب علموں کی ہونہاری کا دیکھ لیجیے۔ اسلام آباد میں کالجوں، یونیورسٹیوں کے طلباء طالبات کے ایک گروہ نے جعلی کرنسی سے لوٹنے ٹھگنے کا کامیاب بزنس چلا رکھا تھا جو نصیبِ دشمناں پکڑا گیا۔ نہ ڈاڑھی، نہ مدرسہ، نہ لاؤڈ سپیکر ایکٹ کی خلاف ورزی۔ صرف خرید و فروخت کی ویب سائٹ پر آن لائن لوگ پھانس کر جعلی کرنسی کے ذریعے خرید و فروخت کر رہے تھے۔ ایان علی کی طرح بہر حال خوبصورت نہ ہوں گے ورنہ قوم کو قلق ہوتا۔ آئی ٹی صلاحیتوں سے مالا مال یہ گروہ پاکستانی نوجوانوں کی سرگرمیوں کا آئینہ دار ہے!

ادھر عالمی یوم نوجوانان کے موقع پر یوتھ پارلیمنٹ کی جانب سے پروگرام کیا گیا۔ اس میں تاکیدی تربیت یہ تھی کہ ہماری پہلی شناخت پاکستانی ہونے کی ہے۔ قوم، وطن پہلے آتا ہے اور مذہب یعنی اسلام بعد میں! ترانہ پہلے، تلاوت بعد میں۔ سیکولرازم کا جو بخار ہماری حکومتوں کو چڑھا ہوا ہے یہ اسی کا شاخسانہ ہے۔ پاکستان پیدا ہی نہ ہوتا اگر اسلام اس کی وجہِ وجود نہ ہوتا۔

سیکولرازم کی پکار لگتی تو برصغیر کا ایک مسلمان اپنی چھنگلیا بھی کٹوانے کو تیار نہ ہوتا۔ لاکھوں جانوں کی قربانی اور بیٹیوں کی عزتوں کا لٹنا تو دور کی بات ہے! پاکستان کا وجود اسلام کا مرہون منت ہے۔ اس کی تاریخ مسخ نہ کیجیے۔ مصورِ پاکستان سے پوچھیے۔ کیمرج، آکسفورڈ کے نصاب پڑھنے پڑھانے لاگو کرنے والوں سے نہیں۔ وطنیت زہر قاتل ہے۔ جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا

کفن ہے۔ پاکستان اسلام کی کوکھ سے پیدا ہوا ہے۔ اسے اس کی شناخت سے محروم کرنا ولدیت سے محروم کرنے کے مترادف ہے۔ سیکولرازم کے دلدادگان کے لیے ساری دنیا کے دروازے کھلے ہیں۔ اپنے محبوب غربی ممالک میں جا آباد ہوں۔ پاکستان کی پاکی اور پاکیزگی کا سرچشمہ اسلام ہے، کفر نہیں۔ الحاد و بے دینی نہیں۔ مغرب میں ایک اور نفسیاتی بیماری روز افزوں ہے جس کی بنا پر سالانہ تقریباً 500 آپریشن ہوتے ہیں تبدیلی جنس کے۔ انہیں ٹرانس جینڈر کہا جاتا ہے۔ بین الاصناف، (ہم آہنگی کے سفیر!) اپنی شناخت پر یہ لوگ عدم اطمینان کا شکار ہوتے ہیں۔ مثلاً پیدا مرد ہوئے تھے، اب عورت بننا چاہتے ہیں۔ کچھ ایسا ہی معاملہ ہمارے ہاں بڑھتا جا رہا ہے مگر روحانی سطح پر۔ پیدا مسلمان ہوئے تھے لیکن اس شناخت پر شدید پریشانی کا شکار رہتے ہیں۔ گھگیائے شرمائے پھرتے ہیں۔ اذانوں کی پکار، مدارس، شعائر اسلامی سے الرجی اس پر مستزاد ہے۔ اللہ کے نام، کبریائی کی پکار پر قدغن لگانے، گلا گھونٹنے والے۔ اللہ کی پکڑ سے بے خوف۔ اس کے غضب اور نتائج وعواقب سے بے پروا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ انجمنِ شرمساران و معذرت خواہانِ اسلام کے سرکردگان ''یوم تکبیر'' کا نام بدلوانے کو اٹھ کھڑے ہوں۔

حرف اس قوم کا بے سوز عمل زار و زبوں
ہو گیا پختہ عقائد سے تہی جس کا ضمیر

سرچشمہ نبوت سے منہ موڑ کر اللہ، آخرت، رسالت سے بے بہرہ کفر کے گدلے گھاٹ کا پانی پی پی کر قوم فکری ہیضے اور انتشار کی مریض ہو چکی ہے۔ اخلاقی گراوٹ اور وہ بھی نوجوان نسل میں دیکھ کر تشویش اور بڑھ جاتی ہے۔ علاج کے لیے اسی چشمہ صافی قرآن وسنت کی طرف لوٹنا ہوگا۔

جہاں کو پھر اسی انداز سے ترتیب دینا ہے
عمرؓ کا جوش ہو، بوذرؓ کا ایماں، فقرِ سلمانی!

☆☆☆☆☆

دعائے صحت

☆ رفیق تنظیم اسلامی اور قرآن اکیڈمی لاہور کے شعبہ خط وکتابت کے کارکن امجد علی روڈ ایکسیڈنٹ میں زخمی ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کو شفائے کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے۔

قارئین اور رفقاء واحباب سے بھی ان کے لیے دعائے صحت کی اپیل کی جاتی ہے۔

والدین کا ادب

بنتِ حسن

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اپنی والدہ کا بہت ادب واحترام کیا کرتے تھے۔ جب کبھی ان کی والدہ صاحبہ کو کوئی مسئلہ معلوم کرنا ہوتا تو وہ ایک سن رسیدہ فقیہہ سے دریافت کرتیں۔ ایسے موقع پر امام اعظم ابو حنیفہؒ اپنی والدہ کو اونٹ پر سوار کرتے اور خود اونٹ کی نکیل پکڑ کر پیدل چلتے۔ جب لوگ دیکھتے تو ادب واحترام کی وجہ سے راستے کے دونوں اطراف کھڑے ہو کر سلام کرتے۔ امام ابو حنیفہؒ کی والدہ ان سے مسئلہ دریافت کرتیں۔ کئی مرتبہ ایسا ہوتا کہ معمر فقیہہ کو مسئلہ کا صحیح حل معلوم نہ ہوتا تو وہ زیر لب امام ابو حنیفہؒ سے پوچھ لیتے اور پھر اونچی آواز سے آپ کی والدہ کو بتا دیتے۔ آپ کی تواضع اور ادب کا یہ عالم تھا کہ ساری زندگی اپنی والدہ پر یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ جو مسائل آپ ان سے پوچھتی ہیں، وہ میں ہی بتاتا ہوں۔ یہ سب اس لیے تھا کہ والدہ صاحبہ کی طبیعت جس طرح مطمئن ہوتی ہے، ہونی چاہیے۔ اس ادب و احترام کے صدقے ہی آپؒ امام اعظم بنے۔ والدین کا ادب واحترام عمر کے ہر حصے میں واجب ہے لیکن جب دونوں شباب کی بہاروں، رعنائیوں اور توانائیوں سے محروم ہو کر بڑھاپے کی زندگی گزار رہے ہوں تو اولاد کو چاہیے کہ ان کا زیادہ خیال رکھے۔ ایسا نہ ہو کہ اولاد کی ذرا سی بے رخی والدین کے لیے دل کا روگ بن جائے۔ جب والدین اولاد کے رحم وکرم کے محتاج ہوں تو حالات کے ان بے رحم تھپیڑوں میں اولاد پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ایسا کوئی قولی اور فعلی رویہ اختیار نہ کرے جس سے والدین کو ایذا پہنچے، بلکہ اس وقت انسان اپنے بچپن کو یاد کرے کہ جب وہ والدین کی شفقت اور حسن سلوک کا اس سے زیادہ محتاج تھا۔ اپنے ننگے بدن کو ڈھانپ نہیں سکتا تھا۔ خود اپنی مرضی سے کروٹ نہیں بدل سکتا تھا۔ اپنی غذا کا بندوبست نہیں کر سکتا تھا۔ حتیٰ کہ اپنے ساتھ لگی نجاست کو نہیں دھو سکتا تھا۔ اس بے بسی کے عالم میں باپ کی شفقت اور ماں کی ممتا نے شجر سایہ دار کی مانند اسے اپنی محبت کی گھنی چھاؤں سے نوازا۔

یہ ماں ہی تو تھی جو بچے کو پہلے کھلاتی تھی، پھر خود کھاتی تھی۔ جو بچے کو پہلے پلاتی تھی، پھر خود پیتی تھی۔ جو بچے کو پہلے سلاتی تھی، پھر خود سوتی تھی۔ جو اپنے سر کی چادر کے ایک کونے سے بیٹے کے جوتوں کو صاف کرتی تھی اور پھر اپنے ہاتھوں سے بچے کے پاؤں میں جوتا پہناتی تھی۔ آج اس ماں کے احسانات کا بدلہ چکانے کا وقت آ پہنچا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **الجنت تحت اقدام الامھات** ''جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔'' دوسری جگہ ارشاد فرمایا: **رضی الرب فی رضی الوالدو سخط الرب فی سخط الوالد** ''رب کی رضا والد کی رضا میں ہے اور رب کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے۔'' سچ تو یہ ہے کہ اولاد اپنے والدین کی جتنی بھی خدمت کر لے، ان کے احسانات کا حق ادا نہیں کر سکتی، بلکہ اگر ساری کائنات کی نعمتوں کا ایک لقمہ بنا کر والدین کے منہ میں دے دے تو بھی والدہ کی چھاتیوں سے پیے ہوئے دودھ کا بدلہ نہیں چکا سکتی۔

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ: باپ بیٹے کی محبت میں کتنا فرق ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ بیٹا بیمار ہو اور لاعلاج مرض میں گرفتار ہو جائے تو باپ اس کی درازیٔ عمر کی رو رو کر دعائیں کرتا ہے، اس کے بس میں ہو تو اپنی بقیہ زندگی کے ایام اپنے بیٹے کو دے کر خود موت کو قبول کر لے لیکن جب باپ بیمار ہو اور لاعلاج ہو جائے تو چند دن ہی میں بیٹا مایوس ہو کر دعا مانگتا ہے کہ یا اللہ، میرے بوڑھے باپ کو اپنے پاس بلا لے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ وفا کے بدلے اتنی جفا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں والدین کے ادب و احترام اور خدمت واطاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

☆☆☆☆☆

سول ملٹری قیادت کے تعلقات

19 اگست 2015ء کو منعقدہ نشست کی تلخیصی رپورٹ

مہمانانِ گرامی:
ایوب بیگ مرزا: ناظم نشر و اشاعت تنظیم اسلامی
ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: دفاعی تجزیہ نگار
ارشاد احمد عارف: معروف صحافی و کالم نگار (آن لائن شرکت)

میزبان: وسیم احمد

سوال: کیا سانحہ اٹک کے بعد یہ حقیقت کھل کر سامنے نہیں آ گئی کہ ملک سے دہشت گردی کی جڑیں ابھی تک کٹی نہیں ہیں؟

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: دراصل اس ملک میں دہشت گردی کا کوئی ایک فیکٹر نہیں ہے' اس میں اور بھی کئی فیکٹرز ہیں۔ خیبر پختونخوا میں دہشت گردی کی وجوہات الگ ہیں۔ بلوچستان میں کچھ اور وجوہات ہیں۔ کراچی' حیدر آباد اور سندھ کے علاقوں میں جو دہشت گردی کی وارداتیں ہوتی ہیں' ان کی وجوہات الگ الگ ہیں۔ کہیں پر مشرف کی پالیسی کا فال آؤٹ ہے' کہیں افغان جہاد کا فال آؤٹ ہے' کہیں پر علیحدگی پسندی کی تحریکیں چل رہی ہیں' کہیں فرقہ واریت کا مسئلہ ہے۔ دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے فوج اور رینجرز کی ذمہ داری لگا دی گئی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ معاشرے کے تمام طبقات یکسو ہو کر اس فساد سے نمٹنے کے لیے اپنا اپنا حصہ ڈالیں۔ اکثر یہ بحث ہوتی رہتی ہے کہ سیاست دان اور فوج ایک پیج پر ہیں یا نہیں! اس کے علاوہ معاشرے کے اور طبقات بھی ہیں۔ کیا ہمارے علماء' سیاسی لیڈر' پولیس اسی طرح اس فساد سے نمٹنے کے لیے تیار ہیں؟ شجاع خانزادہ کے واقعے کا پس منظر کچھ اور ہے جبکہ کراچی میں رشید گوڈیل پر حملہ کچھ اور پس منظر رکھتا ہے۔ جب تک معاشرے کے تمام طبقات ایک پیج پر نہیں ہوں گے' ایسے واقعات ہوتے رہیں گے۔ دہشت گردی کا طاقت سے مقابلہ کرنا اس کے حل کا صرف ایک رُخ ہے۔ طاقت استعمال کرنے کی بیک گراؤنڈ حساس اداروں کی اطلاعات ہوتی ہیں' جنہیں بروقت ہونا چاہیے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ رپورٹس کے مطابق جہاں جہاں دہشت گردی کا خدشہ ہو' وہاں حفاظتی اقدامات ٹھیک طرح کیے جائیں۔

اٹک کے واقعے کے حوالے سے پریس میں آ چکا ہے کہ ان کی سکیورٹی پوری نہیں تھی۔ وہاں پر کوئی سکیورٹی چیک ہوا ہی نہیں۔ اس سے پہلے پولیس مقابلے میں ملک اسحاق کے ساتھ جو کچھ ہوا' اس واقعے کا اس کے ساتھ رشتہ جوڑا جا رہا ہے۔ کراچی کی دہشت گردی میں ''را'' اور دوسری بیرونی سیکرٹ ایجنسیز کی بھی involvement ہوتی ہے۔ لہٰذا جب ان تمام چیزوں کو سامنے رکھ کر پالیسیز بنائی جائیں گی اور دہشت گردی کے تمام راستے بند کیے جائیں گے تو پھر اس کی جڑیں ختم ہوں گی۔

مرتب: محمد خلیق

ایوب بیگ مرزا: اٹک کے واقعے میں ہمیں بڑا سکیورٹی lapse نظر آتا ہے۔ شجاع خانزادہ کی شہادت کے حوالے سے گورنمنٹ کو anticipate کرنا چاہیے تھا' کیونکہ یہ ملک اسحاق کی ہلاکت کے بعد پاپولر ہو گئے تھے اور حکومت نے تسلیم بھی کر لیا تھا کہ وہ لوگ حکومت کی زیر حراست تھے جب ان کی ہلاکت ہوئی۔ پنجاب حکومت کو یہ anticipate کرنا چاہیے تھا کہ اس کا backlash آئے گا اور سب سے زیادہ متاثر پنجاب کی وزارت داخلہ ہوگی۔

سوال: کیا دہشت گردی کے حوالے سے فوج اور سول حکومت واقعتاً ایک پیج پر ہیں؟

ایوب بیگ مرزا: اس سوال کو جغرافیائی لحاظ سے میں دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں۔ ایک جگہ پر یہ ایک پیج پر ہیں اور دوسری جگہ پر یہ ہرگز ایک پیج پر نہیں ہیں۔ ہماری شمال مغربی سرحد کی طرف سے جو دہشت گردی ہوتی ہے' اس حوالے سے تو یہ بالکل ایک پیج پر ہیں۔ حکومت بھی چاہتی ہے کہ یہ سلسلہ ختم ہونا چاہیے۔ ابتدا میں شمالی وزیرستان کے بارے میں اگرچہ نواز شریف resist کرتے رہے لیکن جب عسکری قیادت نے کافی دباؤ ڈالا تو رضامند ہو گئے۔ کراچی کا مسئلہ بڑا ہی complicated ہے۔ کراچی میں آپریشن کا آغاز کالعدم تنظیموں کے خلاف کارروائی سے ہوا۔ ایم کیو ایم یہ expect کر رہی تھی کہ تحریک طالبان پاکستان زیرعتاب آئے گی' اس لیے وہ آگے بڑھ بڑھ کر اس کی حمایت میں بیان دے رہی تھی۔ کچھ عرصے بعد آپریشن کا رُخ ایم کیو ایم کی طرف ہو گیا۔ اس کی ایک بڑی logical وجہ تھی' کہ کسی جرم کے ارتکاب پر قانون نافذ کرنے والے ادارے مجرم ہی کی طرف رخ کریں گے۔ پھر آپریشن نے ٹریول کیا اور بات پیپلز پارٹی کی طرف آ گئی۔ اصل میں شریف برادران یا پنجاب اور وفاقی حکومت یہ expect کر رہے ہیں کہ آپریشن ایم کیو ایم سے ٹریول کرتے ہوئے پیپلز پارٹی کی طرف گیا ہے' اور اب پیپلز پارٹی سے ٹریول کرتے ہوئے ہماری طرف آ سکتا ہے۔ لہٰذا اس حوالے سے وہ اور فوج ہرگز ایک پیج پر نہیں ہیں' بس مجبوری ہے۔ بلوچستان کے معاملے میں بھی سیاسی اور عسکری قیادت ایک پیج پر ہیں۔ اصل مسئلہ جو گلے کی ہڈی بنا ہوا ہے' وہ کراچی آپریشن ہے۔ وہاں وفاقی حکومت کے مفادات پر بھی زد پڑ رہی ہے' پیپلز پارٹی پر بھی زد پڑ رہی ہے' ایم کیو ایم پر بھی زد پڑ رہی ہے۔

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: دراصل پنجاب میں طرزِ حکومت ون مین شو والی بات ہے۔ شہباز شریف نے اپنی پاورز کسی کو delegate کی ہی نہیں ہیں۔ صحیح طرزِ حکومت تو یہ ہوتا ہے کہ آپ پاورز کو ڈی سینٹرلائز کرتے ہیں' دوسرے لوگوں کو ذمہ داریاں تفویض کرتے ہیں اور پھر خود نگرانی کرتے ہیں۔

> ملک کے مختلف حصوں میں دہشت گردی کی وجوہات الگ الگ ہیں

ایوب بیگ مرزا: شہباز شریف کے اس بیان کی کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کی قیادت میں خود کروں گا'

ایک وجہ اور بھی ہے۔ چند سال قبل جامعہ نعیمیہ میں منعقدہ ایک تقریب میں خطاب کرتے ہوئے انہوں نے تحریک طالبان پاکستان کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ ہم تو آپ سے تعاون کر رہے ہیں' اس لیے پنجاب میں آپ کوئی کارروائی نہ کریں۔ اُس متنازعہ بیان کے تاثر کو ختم کرنے کے لیے بھی یہ تازہ بیان دیا گیا ہے۔

سوال: کیا وجہ ہے کہ نواز شریف 3 دفعہ وزیر اعظم بنے ہیں اور ہر دفعہ عسکری قیادت سے تصادم کی صورتِ حال رہی ہے؟

ارشاد احمد عارف: پہلی بات تو یہ ہے کہ ملک میں چار مارشل لاء لگ چکے ہیں اور فوج یہاں ایک پروپر ادارے کے طور پر موجود ہے۔ دوسرے ادارے یعنی پارلیمنٹ' عدلیہ' سول ایڈمنسٹریشن اس طرح سے ڈویلپ نہیں ہوئے جیسے فوج نے اپنے آپ کو مضبوط کیا ہتھیاروں

> کراچی میں آپریشن کے حوالے سے وفاقی حکومت اور فوج ایک پیج پر نہیں ہیں

کے ذریعے' بہتر ٹریننگ کے ذریعے اور علم و مطالعے کے ذریعے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نواز شریف سیاست میں کسی نظریے کے تحت نہیں آئے تھے۔ ان کے نزدیک اوّلیت سیاست کو حاصل ہے' ریاست کو نہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ میاں نواز شریف ابھی تک سٹیٹ کرافٹ سے سو فیصد واقف نہیں ہو سکے۔ ان کو سمجھ نہیں آتی کہ ترکی میں سویلین حکومت کی فوج پر بالادستی ان کی اچھی کارگزاری اور اخلاقی و علمی برتری کی وجہ سے ہوئی ہے۔ ایسے نہیں ہوا کہ چونکہ ووٹ مل گئے ہیں کسی شخص یا کسی جماعت کو تو اس کو تمام اداروں پر برتری اور بالادستی حاصل ہو گئی ہے۔ پھر یہ کہ عوام سے رابطہ بھی اتنا مضبوط ہونا چاہیے کہ حکومت کے ایک اشارے پر عوام سڑکوں پر آنے کے لیے تیار ہوں۔ یہ سارے لوازمات پورے کیے بغیر میاں نواز شریف ہر دفعہ صرف اس سیاست کے زور پر بالادستی حاصل کرنا چاہتے ہیں جو وہ پارلیمنٹ سے ڈرائیو کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کے تعلقات ہمیشہ خرابی اور بگاڑ کا شکار ہوتے ہیں۔

سوال: سینیٹر مشاہد اللہ کا بی بی سی کو دیا گیا انٹرویو ان کے ذاتی خیالات تھے یا حکومتی حکمتِ عملی کا حصہ تھا؟

ارشاد احمد عارف: جب ایک وزیر حلف اُٹھا لیتا ہے' کیبنٹ ممبر بن جاتا ہے تو اس کے ذاتی خیالات نہیں ہوتے۔ وہ ایک پبلک پراپرٹی ہوتا ہے اور ایک ٹیم کا حصہ ہوتا ہے۔ ذاتی باتیں وہ نجی محفلوں میں کرتا ہے۔ جب وہ انٹرویو دے رہا ہوتا ہے' پبلک کو ایڈریس کر رہا ہوتا ہے تو اس وقت اس کے خیالات وزیر اعظم سمیت پوری کابینہ کے خیالات ہوتے ہیں۔ مشاہد اللہ نے کسی عام آدمی سے باتیں سن کر انٹرویو نہیں دیا تھا۔ کیبنٹ میں جو باتیں ہوئی ہوں گی' یا میاں صاحب کے قریبی ساتھیوں سے سن کردہ بات کی ہو گی۔ چنانچہ یہ کہنا کہ ان کا ذاتی خیال ہے' دراصل ان کو قربانی کا بکرا بنانا ہے۔ میں سمجھتا ہوں یہ بہت بڑی زیادتی ہے۔

سوال: ان کا اس طرح کے خیالات کا اظہار کوئی چھوٹا جرم تھا' جس پر ان سے محض استعفیٰ لے لیا گیا؟

ارشاد احمد عارف: یہ لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے برابر ہے۔ مشاہد اللہ ایک میچور سیاسی ورکر ہیں۔ وہ ایسی بات بے دھیانی میں نہیں کر سکتے۔ انہوں نے اگر یہ بات کی ہے تو سوچ سمجھ کر کی ہے۔ بنیادی طور پر ایشو یہ نہیں ہے کہ کیا واقعہ ہوا' ایشو یہ ہے کہ انہوں نے آئی ایس آئی چیف کو blame کیا کہ وہ آرمی چیف اور حکومت کے خلاف سازش کر رہے تھے۔ آئی ایس آئی چیف پر یہ الزام لگے تو ناممکن ہے کہ آرمی چیف ان کے خلاف ڈسپلن کی خلاف ورزی یا بغاوت یا سازش کے حوالے سے کارروائی نہ کرے۔ اگر ان کے خلاف کارروائی نہیں ہوئی تو اس کا مطلب ہے کہ ایسا کوئی واقعہ نہیں تھا۔ اس کے باوجود ایسا الزام لگانا ایک تو جنرل راحیل شریف کو مطعون کرنا ہے کہ انہوں نے ایک سازش برپا ہونے کے باوجود کوئی کارروائی نہیں کی' دوسرا آئی ایس آئی کو ایک سازشی ادارہ ثابت کرنا ہے جو ہمارے دشمن ہمیشہ کرتے رہتے ہیں۔

ایوب بیگ مرزا: عسکری قیادت اور نواز شریف کے درمیان مختلف اوقات میں تصادم کی وجوہات میں ایک چیز کا میں اضافہ کروں گا کہ جمہوری رہنما ہونے کے باوجود نواز شریف ارتکازِ قوت کی بڑی زبردست خواہش رکھتے ہیں۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

ارشاد احمد عارف: بالکل' اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ وہ جنرل ضیاء الحق کے قریب رہے اور چونکہ ان کی سیاسی تربیت ایک غیر جمہوری دور میں ہوئی ہے تو ان کے دماغ پر اس بات کا غلبہ ہے کہ حکمرانی کا مطلب مکمل بالادستی اور تمام اداروں کو ماتحت رکھنا ہوتا ہے۔

ایوب بیگ مرزا: ہمارے ہاں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ سیاست کو روزگار اور اپنے مالی وسائل بڑھانے کا ایک ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ جرنیل بھی کوئی دودھ کے دھلے ہوئے نہیں ہیں۔ لہٰذا مالی مفادات کا بھی ٹکراؤ ہو جاتا ہے۔ جب جرنیل یہ دیکھتے ہیں کہ فلاں وزیر یہ کما کر لے گیا اور فلاں وزیر یہ کما کر لے گیا تو وہ سمجھتے ہیں کہ قوت تو پھر ہمارے پاس بھی ہے۔

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: اصل میں سیاست دانوں کی تربیت بھی نہیں ہوئی۔ ہمارے کچھ سیاست دان تو by accident بھی وجود میں آ جاتے ہیں۔ آج کل کی دنیا میں سٹیٹ کرافٹ اور ڈپلومیسی ایک بہت بڑا آرٹ ہے۔ فوج نے سرحدوں کی حفاظت کرنی ہوتی ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ جرنیلوں کے مالی مفادات بھی ہوں۔ بہرحال ہر جگہ ہر قسم کے لوگ موجود ہوتے ہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ فوج نے ملک کی حفاظت کا حلف اُٹھایا ہوتا ہے۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ سیاست دانوں کے مالی مفادات کی وجہ سے ملک کو نقصان پہنچ رہا ہے تو پھر ایک تصادم کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے ہاں یہ خلیج بہت وسیع ہوتی

> میاں نواز شریف کو یہ سمجھنا چاہیے کہ فوج پر بالادستی کے لیے اچھی کارگزاری، اخلاقی و علمی برتری اور عوام سے مضبوط تعلق بہت ضروری ہے

جا رہی ہے۔ زرداری صاحب نے کیسا بیان دیا تھا۔ الطاف حسین کیسی کیسی باتیں کرتے ہیں۔ ہماری سیاسی جماعتیں دوسرے ملکوں کی خفیہ ایجنسیوں کے ساتھ اپنی پینگیں بڑھاتی ہیں۔ باہر کے ملکوں میں یہ چیز نہیں ہے۔ وہاں ملک کی سالمیت اور اس کے مفادات کے لیے فوجی ادارے اور سیاست دان ایک پیج پر ہوتے ہیں۔

ایوب بیگ مرزا: لیکن سوال یہ ہے کہ یہ فیصلہ کون کرے گا کہ سیاست دان کے فلاں قدم سے ملک کی سالمیت کو خطرہ ہوا ہے؟ یہ سیاست دانوں کا ایک بڑا جینوئن اعتراض ہے۔ بے شک یہاں پر کرپشن اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ ملکی سالمیت کے لیے خطرہ بن گئی ہے' لیکن اس کی

بابت فیصلہ کرنے کا اختیار فوج کو نہیں دیا جاسکتا۔

سوال: بھارت‘ امریکہ اور برطانیہ جیسے جمہوری ممالک میں اداروں میں تصادم کی ایسی کیفیت کبھی نظر نہیں آتی۔ پاکستان میں ایسی صورت حال کیوں ڈویلپ ہوتی ہے؟

ایوب بیگ مرزا: ان تین ممالک میں سے برطانیہ کو الگ کر دیں۔ برطانیہ کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جب سے جدید جمہوریت قائم ہوئی ہے‘ سول اور فوجی تصادم کم از کم میری نگاہ میں کوئی نہیں ہے۔ برطانیہ صحیح معنوں میں جمہوریت کا باپ ہے۔ ایک لحاظ سے جمہوریت یہیں پیدا ہوئی‘ یہیں سے اس نے پرورش پائی اور پھر یہیں سے باہر نکلی۔ البتہ امریکہ اور بھارت میں فوج اور حکومت کے درمیان تصادم کی کیفیت پیدا ہوتی رہتی ہے جبکہ پاکستان میں یہ تصادم اس حد تک چلا جاتا ہے کہ مارشل لاء لگ جاتا ہے۔

1999ء میں جب جنرل مشرف نے نواز شریف کے خلاف گو کیا تو اُس وقت پینٹا گون اور وائٹ ہاؤس میں شدید اختلاف تھا۔ وائٹ ہاؤس چاہتا تھا کہ پینٹا گان جو کام افغانستان میں کرنا چاہتا ہے وہ نواز شریف کے ذریعے

> پاکستان میں سول حکومت اور عسکری قیادت دونوں کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ ساری قوت میرے پاس ہو، دوسرے کے پاس کوئی طاقت نہ ہو

ہی کر لیا جائے‘ لیکن پینٹا گون اس معاملے میں رسک نہیں لینا چاہتا تھا۔ افغانستان میں ایک بڑی کارروائی کے لیے پینٹا گون کی خواہش تھی کہ پاکستان میں کسی جرنیل کو برسر اقتدار لایا جائے تاکہ دو مختلف آدمیوں سے ڈیل نہ کرنا پڑے۔ لہٰذا امریکی حکومت اور فوج میں اختلاف ہوا‘ لیکن پینٹا گون بازی لے گیا اور اس نے نواز حکومت کا تختہ اُلٹ دیا۔ اس کے بعد وائٹ ہاؤس نے پینٹا گون کے ساتھ اپنی ناراضگی کا عام اعلان نہیں کیا بلکہ اس نے ایڈجسٹ کر لیا۔ امریکہ کے صدر کلنٹن نے کبھی نہیں کہا کہ یہ میری مرضی کے خلاف ہوا ہے۔ وہ اپنے اندر کی بات کو اُگلا نہیں کرتے۔ پاکستان میں تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ یہ ہو رہا ہے۔ بھارت کی مثال بھی ملاحظہ کیجیے۔ راجیو گاندھی وزیر اعظم تھا اور وہ سرکاری دورے پر پاکستان آیا۔ اس نے سیاچن کے مسئلے پر پاکستان کے ساتھ معاہدہ کر لیا‘ جو باقاعدہ لکھا گیا اور آج تک وزارت خارجہ میں موجود ہے۔ راجیو نے کہا کہ آپ معاہدے کو بھارت بھجوائیں‘ میں وہاں جا کر اس پر دستخط کروں گا۔ بھارت میں فوج نے اسے دستخط نہیں کرنے دیے اور اس نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ یہ چیزیں بھارت اور امریکہ میں بھی ہیں‘ لیکن وہ فارن پالیسی کے حوالے اپنے ملکی مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان چیزوں کو پی لیتے ہیں۔ ایک دوسرے کے خلاف ایڈجسٹ کر لیتے ہیں۔ ایک دوسرے کے مدمقابل آ کر کوئی قلابازی نہیں لگانا چاہتے۔ اس کے برعکس پاکستان میں اپنی قوت کے اظہار کو خود پر لازم کر لیا جاتا ہے کہ میں یہ کر کے دکھاؤں گا۔ دونوں قوتوں کا ٹکراؤ ہوتا ہے تو یا مارشل لاء لگتا ہے یا جرنیل کو فارغ کر دیا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں برداشت نہیں ہے۔ ہمارے جرنیل اور سیاسی قیادت یہی چاہتے ہیں کہ ساری قوت میرے پاس ہو‘ دوسرے کے پاس کوئی طاقت نہ ہو۔

سوال: ملک سے دہشت گردی کا خاتمہ کیا صرف اور صرف فوج کی ذمہ داری ہے؟

ایوب بیگ مرزا: یہ صرف فوج یا حکومت کا معاملہ نہیں ہے۔ جب تک عوام کا ہر طبقہ مثلاً علماء اور دانشور تعاون نہیں کریں گے‘ یہ ممکن نہیں ہے۔

سوال: یہ طبقات تو مورل سپورٹ کر سکتے ہیں؟

ایوب بیگ مرزا: مورل سپورٹ کے علاوہ بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں دانشوروں کی باتوں کا بھی بڑا اثر ہے۔ سول اداروں کو اس حوالے سے مکمل طور پر فوج کے ساتھ تعاون کرنا پڑے گا۔ اس کے بغیر ملک میں دہشت گردی ختم نہیں ہو سکے گی۔ یہ تعاون ذہنی‘ فکری اور عملی تینوں سطح پر ہونا چاہیے۔

سوال: کیا صرف فوجی عدالتوں کے قیام اور کراچی کو رینجرز کے حوالے کرنے سے ملک میں دہشت گردی رُک جائے گی یا اس کے لیے کچھ اور اقدامات بھی کرنا ہوں گے؟

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: طاقت تو کسی بھی مسئلے کا مستقل حل نہیں ہوتی۔ اسے ایک محدود وقت کے لیے جزوی طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ برطانیہ میں ناردن آئرلینڈ کے علاقے میں کئی برسوں تک علیحدگی کی تحریک چلتی رہی۔ اس دوران وہاں دہشت گردی کے بہت سے واقعات ہوئے۔ برطانوی حکومت نے اس دہشت گردی کو ختم کرنے کے لیے فوج استعمال کی لیکن سیاسی حل ڈھونڈنے کی بھی کوشش جاری رکھی۔ بالآخر سیاسی طریقے سے اس دہشت گردی کا خاتمہ ہو گیا۔ پاکستان میں دہشت گردی کی وجوہات کی تہہ میں جائیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ بڑا پیچیدہ مسئلہ ہے‘ اس لیے کہ ہمارے ہاں عصبیتیں بہت زیادہ بڑھ چکی ہیں۔ یہاں لسانی عصبیت ہے‘ مذہبی عصبیت ہے‘ علاقائی اور جغرافیائی عصبیتیں ہیں۔ پاکستان اسلام کے نام

> ملک سے دہشت گردی کو ختم کرنے کے لیے معاشرے کے تمام طبقات کو ذہنی، فکری اور عملی سطح پر تعاون کرنا ہوگا

پر وجود میں آیا تھا۔ جب تک یہاں اسلام کا نظام عدل وقسط قائم نہیں ہوگا‘ معاملات درست نہیں ہو سکتے۔ اس ملک میں سو روپے رشوت لینے والے کو تو سزا بھی دی جاتی ہے اور اسے محکمے سے بھی نکال دیا جاتا ہے جبکہ اربوں کی کرپشن کرنے والے دھڑلے سے آزاد پھرتے ہیں۔ جب حکمرانوں کا کھانا تو پنڈی سے مری ہیلی کاپٹر پر پہنچایا جائے اور غریب آدمی کو انصاف نہ مل رہا ہو تو وہاں دہشت گردی کے واقعات ہوں گے۔ عدل و انصاف کی عدم فراہمی‘ بے روزگاری اور غربت دہشت گردی کی بڑی وجوہات میں شامل ہیں۔ دشمن انہی چیزوں کو ایکسپلائٹ کرتا ہے۔ پہلے اسلامی نظام قائم ہوگا‘ اس کے بعد طاقت استعمال کی جائے گی۔ قرآنی سزا نافذ کرنے سے پہلے ایک عادلانہ نظام لانا پڑے گا۔

اس پروگرام کی ویڈیو www.tanzeem.org پر ”خلافت فورم“ کے عنوان سے دیکھی جاسکتی ہے۔

دعائے مغفرت — إنا للہ وإنا إلیہ راجعون

☆ مدیر شعبہ مطبوعات قرآن اکیڈمی لاہور حافظ خالد محمود خضر کی بھابی جان قضائے الٰہی سے وفات پا گئیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے، اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ (آمین)۔ قارئین سے بھی مرحومہ کے لئے دُعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَھَا وَارْحَمْھَا وَاَدْخِلْھَا
فِیْ رَحْمَتِکَ وَحَاسِبْھَا حِسَابًا یَّسِیْرًا

بت گری پیشہ کیا، بت شکنی کو چھوڑا

اوریا مقبول جان
theharferaz@yahoo.com

شاید یہ خبر اس قدر عام نہ ہوتی اگر کامیابی کے نشے میں چور، بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی اپنے ٹوئٹر پر اس کا اعلان نہ کرتا کہ متحدہ عرب امارات کی حکومت نے ایک ہندو مندر بنانے کے لیے دبئی میں زمین فراہم کر دی ہے۔ یہ خبر دنیا والوں کے لیے حیران کن ہوگی کہ وہ جزیرہ نمائے عرب جہاں آج سے چودہ سو سال قبل سید الانبیاء ﷺ نے شرک اور بت پرستی کا خاتمہ کر دیا تھا، اس کے ایک حصے میں انھیں کے ماننے والے مورتیوں کے گھر کی تعمیر کے لیے زمین عطا کریں گے۔

لیکن وہ جو سرکار دو عالم ﷺ کی پیش گوئیوں پر ایمان رکھتے ہیں، وقت کے ساتھ ان کے یقین و ایمان میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے کہ اس ہادی برحق ﷺ نے کس طرح کھول کھول کر وہ سب کچھ بتایا اور ان سب علامات قیامت کی خبر دی جو انھیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا فرمائی تھیں۔ صحیح بخاری میں سرور عالم ﷺ کی یہ پیش گوئی درج ہے کہ: قیامت قائم نہیں ہوگی، یہاں تک کہ دوس قبیلہ کی عورتیں ذوالخلصہ کے بت خانہ میں چکر نہ لگائیں۔ عرب میں جاہلیت کے زمانے میں جگہ جگہ بہت سے بت خانے قائم تھے اور لوگ پوجا پاٹ کیا کرتے تھے۔ ان میں عرب کے جنوب مغرب میں دوس قبیلہ رہتا تھا جن کا بت خانہ ذوالخلصہ کے مقام پر تھا۔ دین حق پھیلا تو اس کا نام ونشان تک ختم ہو گیا۔

یوں تو دبئی ایک ایسا شہر ہے جہاں آپ کو دنیا میں موجود تقریباً ہر بڑے مذہب کی عبادت گاہیں مل جائیں گی جن میں ہندو مندر بھی شامل ہے۔ اس لیے کہ دبئی کی معیشت مدتوں سے ایک ایسے ماحول سے وابستہ ہو چکی ہے جس میں خطے کی پیداوار کچھ ہو نہ ہو، وہ خطہ خوشحال ضرور ہوتا ہے۔ یہ کاروباری معیشت کی زبان میں ''آزادانہ تجارتی منڈی'' کا ماحول ہوتا ہے۔ اس ماحول میں صرف تجارت ہی نہیں بلکہ اخلاقیات واقدار تک سب آزاد ہو جاتے ہیں۔

دبئی سے پہلے اس طرح کا ماحول ان شہروں میں پیدا کیا گیا جنھیں یا تو امریکا یا دیگر عالمی طاقتوں نے فتح کیا تھا یا پھر وہ امریکا کی کسی جنگ میں اس کے حلیف تھے اور ان ملکوں نے امریکا اور اس کے اتحادیوں کو جنگی مراکز قائم کرنے کی اجازت دی تھی۔ فلپائن کا شہر منیلا اس ماحول کی اولین تجربہ گاہوں میں سے ایک تھا۔ 1901ء کے شکاگو ٹرابیون میں ایک صحافی نے منیلا شہر کی روداد بیان کی ہے، جہاں امریکی فوجی فلپائن کے عوام کو اسپین کے ظالم کیتھولک عیسائی حکمرانوں سے آزادی دلوانے پہنچے تھے۔ فلپائن کی آزادی کی جنگ کے ہیرو رزال نے اس ظلم وجبر کا ذکر کیا ہے کہ کس طرح یہاں کی مقامی آبادی کو عیسائی بننے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ لیکن امریکی وہاں پہنچے، ان کی آزادی کی جنگ میں مدد کی، اپنی چھاؤنیاں بنائیں، اور پھر انھیں ایک اور بدترین غلامی کا شکار کر گئے۔ صحافی اپنی روداد میں لکھتا ہے کہ ایک پوری امریکی فوجی یونٹ کے ذمے آرمی ویلفیئر کے نام پر ایک ذمے داری سونپی گئی ہے کہ وہ ملک کے طول وعرض سے غریب گھرانوں کی تیرہ سے سولہ سترہ سال کی بچیوں کو بہلا پھسلا کر منیلا کے بازاروں میں لا بٹھائے تاکہ امریکی فوجیوں کی تفنن طبع کا انتظام ہو سکے۔ دنیا بھر میں ایسے ماحول کو نائٹ لائف یعنی رات کی زندگی کہا جاتا ہے۔ آپ آج دنیا کے کسی بھی بڑے شہر کا سیاحتی معلوماتی کتابچہ نکال کر دیکھ لیں، آپ کو نائٹ لائف کے نام سے ایک علیحدہ باب اس میں نظر آئے گا۔

منیلا جیسے کئی شہر اس دنیا کے نقشے پر آباد کیے گئے۔ ان میں سے کئی بڑے بڑے تجارتی مراکز کے طور پر آج بھی موجود ہیں اور کئی صرف اور صرف اپنی خوبصورتی یا تاریخی حیثیت کی وجہ سے سیاحتی مرکز کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ اسلامی دنیا میں جنگ عظیم اول کے بعد بیروت کو خاص طور پر ان مقاصد کے لیے سجایا اور سنوارا گیا۔ عالمی طاقتوں نے وہاں کی مخلوط آبادی عیسائی، شیعہ اور سنی کو اس طرح آئینی طور پر تقسیم کیا کہ میرونائٹ عیسائیوں کو اقتدار میں بالادستی رہے۔ صدیوں سے روم کے زیر نگیں رہنے والے اس شہر کے مخصوص تاریخی پس منظر اور پڑوس میں یہودی ریاست کے قیام کی وجہ سے اس کا اسلامی تشخص مٹانے کے لیے اس کو اس طرح کے آزادانہ ماحول کا تحفہ دیا گیا۔ ایسے ماحول کو کاروبار کے لیے سازگار ماحول کہا جاتا ہے۔ یہ کاروبار بھی عجیب ہوتا ہے۔ نہ وہاں کوئی کھیت ہوتے ہیں اور نہ کارخانے۔ معدنیات بھی اتنی نہیں ہوتیں کہ ملکی معیشت کا پیٹ پال سکیں۔ ایسے میں دنیا بھر کے تاجروں، سٹے بازوں، جواریوں، عیاشوں، اوباشوں اور نام نہاد سیاحوں کو اس شہر کا راستہ دکھایا جاتا ہے۔

دبئی بھی انھی شہروں میں سے ایک ہے جس کا اپنا کوئی ذریعہ آمدنی نہیں، یہاں تک کہ وہ تیل کی دولت سے بھی محروم ہے۔ تیل کی پیداوار اس کی پوری معیشت کا 2 فیصد ہے۔ لیکن 70ء اور 80ء کی دہائیوں میں اس نے سونے کی آزادانہ تجارت کا آغاز کیا اور نوے کی دہائی میں یہ بھارت کو سونا اسمگل کرنے والا سب سے بڑا ملک بن گیا۔ اسمگلنگ کی اس دولت سے دبئی کو ایک سیاحتی مرکز میں بدلنے کے لیے وہاں تعمیراتی کاموں کا آغاز ہوا اور پام جمیرہ کے نام سے دنیا کا سب سے بڑا انسان کا بنایا ہوا جزیرہ سمندر کے بیچوں بیچ تعمیر کیا گیا۔ ہیروں کے کاروبار کا آغاز ہوا اور اس وقت یہ تجارت 35 ارب ڈالر تک ہے۔

سیاحتی مرکز کو ایک شاندار ایئر لائن اور ایئر پورٹ کی ضرورت تھی۔ وہ ضروریات بھی پوری کیں اور دبئی ایئر پورٹ شاید وہ واحد ایئر پورٹ ہے جو کسی مسلم ملک میں واقع ہے اور وہاں آپ کو کھانے کی دیگر ڈشوں کے درمیان عربی میں ایک چٹ نظر آئے گی جس پر لکھا ہوگا ''لحم الخنزیر'' اور انگریزی میں Pork۔ مسلم امہ میں صدیوں سے سؤر کے گوشت سے ایک کراہت موجود تھی۔ غالب پکڑا گیا تو انگریز نے پوچھا: تم مسلمان ہو؟ کہا آدھا۔ کہا: کیسے؟ کہنے لگا: شراب پیتا ہوں، سور کا گوشت نہیں کھاتا۔ سیاحت کے عالمی مرکز نے اس مسلمان شہر کا یہ تشخص بھی ختم کر دیا۔ سیاحت وہاں کون سی ہے۔ نہ آبشار ہیں نہ پہاڑ اور نہ ہی تاریخی مقامات، البتہ نائٹ لائف کے نام آپ کو سیاحتی کتابچے میں ضرور میسر آ جائیں گے۔

روس کے سائبیریا سے جاپان کے اوساکا اور بمبئی، کراچی، تہران، پیرس، بغداد، نیو یارک، لندن، بنکاک،

غرض ہر شہر سے آنے والی فلائٹوں میں آپ کو مخصوص خواتین نظر آئیں گی جو ایک ماہ کے سیاحتی ویزے پر آتی ہیں اور اس ایک ماہ کے بعد وہ واپس اپنے گھروں کو لوٹتی ہیں تو خوشحالی ان کے دروازے پر دستک دے رہی ہوتی ہے۔ دنیا بھر کا میڈیا اٹھا کر دیکھ لیں، آپ کو اس نائٹ لائف کی داستانیں ملیں گی۔ یورپ کے اخبارات اس شہر کو مشرق کا ایمسٹرڈیم کہتے ہیں۔ اس سارے کاروبار اور رنگارنگی کو چلانے اور ماحول بنانے کے لیے افرادی قوت چاہیے اور دنیا بھر سے لوگ وہاں اس کاروباری ماحول کا ایندھن بنتے ہیں جن میں سب سے زیادہ تعداد بھارتیوں کی ہے جو 26 لاکھ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب مودی امارات کی بڑی مسجد دیکھنے گیا تو وہ جگہ جہاں صرف اللہ کے نام کو سر بلند ہونا چاہیے تھا، وہاں مودی مودی کے نعرے لگائے گئے کہ وہاں ایک کثیر تعداد بھارتیوں کی جمع تھی۔

ذوالخصلہ کے بت خانے کا چکر تو میرے آقا ﷺ نے ایک علامت کے طور بیان کیا ہے۔ اس باب کی احادیث پڑھیں تو ایسا لگتا ہے، ہم اس دور میں زندہ ہیں جو قیامت کے قریب معرکوں کا دور ہے۔ غزوہ ہند کی پیش گوئیوں کے بارے میں پڑھتا تھا کہ کیا بھارت دنیا میں اس قدر اہمیت اختیار کر جائے گا کہ اس سے جہاد امت مسلمہ کی بقا اور شرک کے خاتمے کے لیے ضروری ہو جائے گا۔ آپ ﷺ کی بتائی گئی نشانیوں کی جانب غور کریں تو ایسا لگتا ہے کہ یہ معرکہ ہمارے دروازوں پر دستک دے رہا ہے۔

معرکوں کے میدان صرف دو ہیں: ایک شام اور دوسرا ہند۔ شام سیدنا امام مہدی کا ہیڈ کوارٹر اور حضرت عیسیٰؑ کے نزول کا مقام۔ دونوں لشکروں کو جنت کی بشارت دی گئی ہے لیکن جہاد ہند کے بارے میں تو رسول اکرم ﷺ نے صحابہ سے حصہ لینے کا وعدہ لیا (مسند احمد)۔ اس غزوہ کے وقت کا تعین کرتے ہوئے فرمایا: ایک قوم میری امت میں سے ہند پر حملہ کرے گی، اللہ اس کو فتح عطا فرمائے گا یہاں تک کہ وہ ہند کے بادشاہوں کو زنجیروں میں جکڑ کر لائیں گے۔ اللہ ان کے گناہوں کی مغفرت فرمائے گا۔ پھر وہ شام کی طرف لوٹیں گے تو حضرت عیسیٰ ابن مریم کو شام میں پائیں گے (الفتن)۔ معرکہ قریب ہو تو صف بندیاں ہو جاتی ہیں۔ صف بندیاں شروع ہیں۔ دفاعی، تجارتی اور سیاحتی معاہدے جاری ہیں۔ ایران ہو یا دبئی، امریکا ہو یا اسرائیل، مودی کے لیے چشم براہ۔ لیکن نصرت الٰہی کا اندازہ تو اس وقت ہی ہوتا ہے جب آپ کمزور ہوں، تعداد میں کم ہوں اور وہ آپ کو فتح و کامیابی عطا کرے۔

حاصل مطالعہ

صدر ایوب خان کا عہد حکومت اور ستمبر 1965ء کی جنگ (ایک تاریخی تجزیہ)

''............ایں قصہ پارینہ را''

نعیم اختر عدنان

پاکستان اور ہندوستان دونوں ممالک 1965ء کی جنگ کا پچاس سالہ جشن منانے کی تیاریوں میں مصروف عمل ہیں۔ دونوں ممالک کی سول اور فوجی قیادت اپنے ملک کے عوام کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ اس جنگ کے فاتح ''وہ'' ہیں۔ ہم خود کو تو اس قابل نہیں سمجھتے کہ نصف صدی قبل ہونے والی جنگ کے اصل حقائق پر لب کشائی اور خامہ فرسائی کر سکیں لیکن اس تناظر میں ''شہاب نامہ'' میں قدرت اللہ شہاب نے جو کچھ تحریر کیا ہے اُسے بلا تبصرہ قارئین کی نذر کر رہے ہیں۔

''پاکستان اور بھارت کے درمیان بہت سے مسائل اور معاملات پر اختلاف ہے مگر دونوں ممالک میں جھگڑے کی بنیادی وجہ مسئلہ کشمیر ہی ہے جسے بانیٔ پاکستان نے پاکستان کی ''شہ رگ'' قرار دیا تھا۔ جہاں تک مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے دونوں ممالک کے درمیان جنگ کا تعلق ہے، صدر ایوب خان جنگ کا نام لیتے ہی کانوں کو ہاتھ لگایا کرتے تھے اور ہمیشہ یہی کہا کرتے تھے کہ تنازعہ کشمیر کا حل ہم نے پاکستان کے مفاد میں ڈھونڈنا ہے، اس حل کی تلاش میں پاکستان کو داؤ پر نہیں لگانا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ انہوں نے یکا یک ایسے اقدامات شروع کر دیئے جن کا قدرتی اور منطقی نتیجہ جنگ تھی جو ستمبر 1965ء میں بھارت اور پاکستان کے درمیان لڑی گئی۔ یہ جنگ اب تک میرے لیے (قدرت اللہ شہاب) ایک معمہ ہے۔ اگر صدر ایوب چاہتے تو وہ نہایت آسانی سے اپنی کتاب Friends not Masters میں خود اس موضوع پر روشنی ڈال سکتے تھے۔ یہ کتاب 1967ء میں شائع ہوئی تھی۔ جنگ ستمبر ایوب خان کے عہد صدارت کا نہایت اہم اور تاریخی واقعہ تھا اس لیے یہ امر میرے لیے باعث حیرت ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں 1965ء کی جنگ کا ذکر تک کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اگر چہ اس جنگ میں پوری پاکستانی قوم نے صدر ایوب کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ تاہم ممکن ہے کہ پیچھے مڑ کر وہ اس جنگ کو اپنی فوجی مہارت، تدبر، سیاسی بصیرت، دور اندیشی کا کوئی خاص امتیازی نشان نہ سمجھتے ہوں......فوج یا کسی دوسرے ادارے کی جانب سے ابھی تک اس جنگ کی کوئی مستند تاریخ، تجزیہ اور جائزہ ابھی تک ہمارے سامنے نہیں آیا۔ ریٹائرڈ ائیر مارشل اصغر خان کی کتاب The First Round اس موضوع پر ایک اچھی اور دلچسپ تصنیف ہے۔ اس لیے جو واقعات انہوں نے قلم بند کیے ہیں، انہیں صحیح اور معتبر تسلیم کرنے میں مجھے بالکل کوئی ہچکچاہٹ نہیں البتہ کہیں کہیں ان کی رائے کا توازن اعتدال کی حد سے باہر نکلتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اصغر خان لکھتے ہیں ''بر سر اقتدار آنے کے لیے 1965ء میں تو بھٹو صاحب کے عزائم شرمندۂ تکمیل نہ ہو سکے، چھ برس بعد اُن کی یہ آرزو پوری ہو گئی جب 1971ء میں پاکستان کو زبردست فوجی شکست ہوئی۔ گویا بھٹو اقتدار پر قبضہ کرنے کی تخریبی کارروائی میں 1965ء ہی سے مصروف عمل تھے۔''

1965ء جنگ کی بابت دوسری کتاب جنرل موسیٰ کی My Version ہے۔ اس جنگ سے متعلق عوام الناس کے ذہن میں جو سوالات ہیں، یہ کتاب اُن میں سے کسی کا بھی کوئی جواب فراہم نہیں کرتی اور کسی نکتے پر کوئی خاص یا مزید روشنی نہیں ڈالتی۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ جنگ قادیانیوں کی سازش کا نتیجہ ہے، اس لیے کہ فوج کے ایک قادیانی افسر میجر جنرل اختر حسین ملک نے مقبوضہ کشمیر پر تسلط قائم کرنے کے لیے ایک پلان تیار کیا تھا جس کا کوڈ ''جبرالٹر'' تھا۔ اس حوالے سے مسٹر ایم ایم احمد کا نام بھی قابل ذکر ہے جو خود بھی قادیانی تھے اور عہدے میں بھی پلاننگ کمیشن کے ڈپٹی چیئرمین ہونے کی حیثیت سے صدر ایوب کے نہایت قریب تھے۔ جنرل اختر ملک نے اپنے پلان کے مطابق کارروائی کی اور اکھنور کو فتح کرنے

کے قریب تھے کہ انہیں معاً کمانڈ سے ہٹا کر جنرل یحییٰ خان کو یہ کمانڈ سونپ دی گئی۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ بھارت کے عزائم سے ہمارے فوجی اور سول ادارے اتنے بے خبر تھے کہ انہیں ہندوستان کے حملے کا اُس وقت علم ہوا جب رات کے اندھیرے میں بھارتی فوج ہماری سرحد کو پار کرنے کے بعد تیزی سے لاہور کی طرف بڑھ رہی تھی۔ انٹیلی جنس بیورو کے اعلیٰ افسر نے مجھے خود بتایا کہ ان کا ایک ایجنٹ اپنے معمول کے مطابق سرحد پر کسی خفیہ مشن پر تھا کہ اچانک اُس نے دیکھا کہ اگلی جانب سے تیز تیز روشنیاں بڑھتی آ رہی ہیں، جس پر معلوم ہوا کہ بھارتی فوج کے ٹینک سرحد پار کر کے لاہور پر چڑھائی کر رہے ہیں۔ وہ افسر بھاگم بھاگ واپس آیا۔ اس نے اپنے کسی آفیسر کو خبر دی...... بعدازاں فوجی آفیسر نے لاہور کے جی او سی کو جگا کر آگاہ کیا۔ کہتے ہیں فوری طور پر اِس خبر کو سچ ماننے سے کسی قدر ہچکچاہٹ سے کام لیا......''

قدرت اللہ شہاب آگے چل کر لکھتے ہیں ''ایک بار میں نے نواب آف کالاباغ (گورنر مغربی پاکستان) سے اِس جنگ سے متعلق دریافت کرنے کی کوشش کی تو انہوں نے فرمایا: بھائی شہاب یہ جنگ پاکستان کی جنگ ہرگز نہ تھی۔ دراصل یہ جنگ اختر ملک، ایم ایم احمد، بھٹو، عزیز احمد وغیرہ نے شروع کروائی تھی۔ جب میں نے پوچھا کہ جنگ شروع کروانے سے ان حضرات کا مقصد کیا تھا تو نواب صاحب نے کہا ''یہ لوگ ایوب خان کو شکنجے میں کس کر اپنی طاقت بڑھانا چاہتے تھے۔ اس عمل میں پاکستان کا ستیاناس ہوتا ہے تو اِن کی بلا سے۔''

......اِس کٹھن آزمائش کے دوران ہمارے دیرینہ آقا اور مربی امریکہ نے پاکستان کو کسی قسم کا جنگی سازوسامان نہ دینے کا اعلان کر دیا...... جس شب ہندوستان نے لاہور پر حملہ کیا اُسی صبح سب سے پہلے امریکی سفیر ایوان صدر راولپنڈی میں آ دھمکے۔ اُس وقت صدر ایوب ناشتہ کر رہے تھے۔ امریکی سفیر اپنے ہاتھوں کا شکنجہ بنا کر صدر ایوب کی گردن کے قریب لے گئے اور کسی قدر سخت لہجے میں بولے: ''مسٹر پریذیڈنٹ! ہندوستان نے آپ کو گلے سے دبوچ رکھا ہے۔ اس کے ساتھ صلح کرنے میں جلدی کیجیے......''

قدرت اللہ شہاب لکھتے ہیں...... میں نے رات دس بجے کے قریب صدر ایوب سے ٹیلی فون پر رابطہ قائم کیا۔ صدر ایوب کی آواز میں غیر معمولی تھکاوٹ کے آثار نمایاں تھے...... صدر ایوب خان کی اِس جھنجھلاہٹ اور غصیلے رویے سے یہی اندازہ لگتا تھا کہ وہ کسی شدید الجھن میں مبتلا ہیں اور جنگ کے غیر معمولی تقاضوں کے سامنے بے اختیار ہتھیار ڈالنے والے ہیں۔ مملکت کا سربراہ جلد از جلد جنگ بندی کی طرف مائل تھا لیکن وزیر خارجہ بھٹو اقوام متحدہ میں ہندوستان کے ساتھ طویل سے طویل یہاں تک کہ ہزار سالہ جنگ تک کی دھمکیاں دے رہا تھا......اور 23 ستمبر کو جنگ بندی کا اعلان ہو گیا۔ کوئی کہتا امریکہ اور برطانیہ کے دباؤ میں آ کر صدر ایوب حوصلہ ہار بیٹھے تھے۔ کسی کا خیال تھا کہ ہماری فوجی ہائی کمانڈ بھی اِس لڑائی کا بوجھ اُٹھانے سے معذور تھی اور جلد از جلد اِس جنگ کے جنجال سے باہر نکلنا چاہتی تھی۔

مسٹر بھٹو نے خود مجھ سے صدر ایوب اور چند فوجی جرنیلوں کی کم ہمتی، کوتاہ اندیشی اور فن حرب کی مہارت کا رونا رویا تھا۔ جنگ کے دوران چیدہ چیدہ مواقع پر ہماری حربی حکمت عملی کی ناکامیوں کا بیان تھا، قبل از وقت جنگ بندی پر کڑی نکتہ چینی تھی...... میں (قدرت اللہ) بالکل نہیں کہہ سکتا کہ اصل حقیقت کیا ہے لیکن اس جنگ میں ہماری فوج کی ہائی کمانڈ نے برسر عام اپنی ہمت، مہارت اور اہلیت کا کوئی خاص مظاہرہ نہیں کیا۔ بھارتی حملے کو روکنے اور پسپا کرنے کا سہرا ہماری ایئر فورس اور فوجی نوجوان افسروں اور فوجی جوانوں کے سر ہے جنہوں نے سردھڑ کی بازی لگا کر حیرت انگیز جواں مردی دکھائی اور بعض نے وطن عزیز کے دفاع میں جام شہادت نوش کیا۔''

(صفحات 927 تا 931، ''شہاب نامہ'' از قدرت اللہ شہاب)

☆☆☆

ڈرائیور دستیاب

رفیق تنظیم کے بھائی، ڈرائیور، عمر 40 سال، تعلیم میٹرک، LTV لائسنس، لاہور میں ڈرائیونگ کا 20 سالہ تجربہ، کے لیے کسی اچھی جگہ پر ڈرائیونگ کی روزگار کی تلاش ہے۔

برائے رابطہ: 0300-4080611

ضرورت رشتہ

☆ معزز گھرانے کی سلیقہ شعار بیٹی، عمر 27 سال، تعلیم ایم۔ بی۔ بی ایس، FCPS کا تیسرا سال، شیخوپورہ کی رہائشی جٹ برادری سے تعلق کے لیے موزوں ترجیحاً ڈاکٹر یا برسر روزگار نوجوان کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0300-4442211

☆ انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور کے پروفیسر، عمر 46 سال ہمراہ تین بڑے بچے کو دوسری شادی (پہلی بیوی سے علیحدگی) کے لیے معمولی پڑھی لکھی، دین دار، پردہ اور صوم وصلوٰۃ کی پابند خاتون، عمر ترجیحاً 35 تا 40 سال کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0305-4770349

☆ آرائیں فیملی کو اپنی بیٹی، تعلیم ماسٹر، دراز قد، دیندار کے لیے دینی مزاج کے حامل برسر روزگار، تعلیم یافتہ لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0331-4063169

کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ

- از روئے قرآن حکیم ہمارا دین کیا ہے؟
- ہماری دینی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
- نیکی، تقویٰ اور جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے؟

تو مرکزی انجمن خدام القرآن کے جاری کردہ مندرجہ ذیل خط و کتابت کورسز سے فائدہ اٹھائیے:

(1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس
(2) عربی گرامر کورس (I، II، III)
(3) ترجمہ قرآن کریم کورس

مزید تفصیلات اور پراسپکٹس (مع جوابی لفافہ) کے لئے رابطہ:

شعبہ خط و کتابت کورسز

قرآن اکیڈمی 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 3-35869501
E-mail: distancelearning@tanzeem.org

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

اب ان کے دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں!

اہلیہ انجینئر نوید احمدؒ

مجھے لکھنے کا کوئی تجربہ نہیں اور نہ ہی کبھی لکھا ہے لیکن یہ قلم ایک سچے داعیٔ قرآن کے تذکرے کے لیے اُٹھا ہے جس نے اپنی پوری زندگی خادم قرآن کی حیثیت سے گزار دی۔ اس کی راہ میں نہ دنیا کی محبت، نہ بیوی بچوں کی محبت اور نہ ہی کوئی اور مصلحت آڑے آئی کہ جس کے لیے وہ اپنا وقت اس دنیا کے لیے صرف کرتا۔

سورۃ توبہ کی آیت 24 میں اللہ تعالیٰ نے جن محبتوں کا ذکر کیا ہے کہ دنیا کی ساری محبتیں ایک طرف رکھو جبکہ اللہ اور رسول ﷺ اور اس کے راستے میں جہاد ایک طرف رکھو اور پھر اپنا جائزہ لو کہ کون سی محبتیں غالب ہیں! میں اکثر اپنے شوہر کو اس آیت کا مصداق پاتی کہ وہ ان تین محبتوں کو ہمیشہ فائق رکھتے تھے، اور پوری زیست اس عظیم مقصد کے لیے وقف کر دی۔ بعض لوگ حقوق اللہ تو ادا کرتے ہیں لیکن حقوق العباد پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ موصوف نے حقوق العباد میں بھی کمی نہیں کی اور سب کے حقوق کا خیال رکھا۔ اہل و عیال، والدین، بہن بھائی، رشتہ دار اور بے سہاروں کے حقوق، سب کی فکر یوں رہتی کہ گویا یہ ان ہی کی ذمہ داری ہے۔ گھر میں بھائیوں میں چھوٹے تھے لیکن اس کے باوجود تینوں گھروں کی ذمہ داری فکر کے ساتھ ادا کرتے۔ کسی کے بارے میں معلوم ہو جاتا کہ ضرورت مند ہے تو ہر ممکن کوشش کرتے کہ اس کی پریشانی دور ہو جائے۔ میں اکثر یہ کہتی کہ آپ پر یہ مصرع پوری طرح صادق آتا ہے کہ ؏

سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

بچوں کے ساتھ بچے بن جاتے اور ان کے ساتھ کھیلتے۔ مخلوق خدا سے محبت رکھتے اور لوگوں کے مسائل حل کرنے میں کردار ادا کرتے۔ کسی کے گھر کا مسئلہ ہو یا مسجد کے معاملات ہوں، ان کے حل کی سعی کرتے۔

اپنے مقصد میں بہت سنجیدہ تھے۔ بعض اوقات تو اتوار کو بھی تین مقامات پر دروس ہوتے۔ میں کہتی کہ آپ کو تو تعطیل کے روز بھی وقت نہیں ملتا، تو جواب میں ہنستے ہوئے کہتے ؏

اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

جس طرح تندرستی میں اپنے مقصد کی خاطر تن من دھن لگائے رکھا اور مصروف رہے، یہی حال علالت کے دوران رہا۔ جب تک ہمت تھی اور بیٹھنے کے قابل تھے، اپنا کام کرتے رہے۔ بعد میں جب علالت بڑھ گئی تو ادویات کے اثرات سے دن بھر غنودگی کی سی کیفیت میں رہتے۔ اس حالت میں بھی کبھی اقامت کہہ کر بآواز بلند جماعت کروا رہے ہیں تو کبھی درس قرآن دے رہے ہوتے۔ بعض اوقات شوریٰ کا اجلاس بھی گھر پر منعقد کرواتے اور اپنے تنظیمی ساتھیوں کا نام لیتے اور اپنی رائے دیتے۔ کوئی درمیان میں پوچھتا تو جواب بھی دیتے مگر ساتھ وضاحت کرتے کہ آپ شوریٰ کے رکن نہیں ہیں اور رائے دینے کے اہل نہیں ہیں۔ ہر حال میں زبان پر یہ جملے رہتے کہ ''اللہ تیرا شکر ہے، تو کارساز ہے۔'' اکثر تکلیف ہوتی تو صرف یہ کہتے کہ ''یا اللہ! تیرا ہی آسرا۔''

فکر آخرت اتنی تھی کہ جب ان کے کینسر کے ڈاکٹر نجیب نعمت اللہ اور طب نبوی کے ڈاکٹر ناظر حسین گھر پر ہی آ کر معائنہ کر جاتے تو کہتے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی اتنی آسانیاں کر رہا ہے، کہیں میرا اجر مجھے اللہ دنیا میں تو نہیں دے رہا۔ میں تسلی دیتی کہ نہیں۔ ان شاء اللہ۔ آخرت میں بھی اجر ضرور ملے گا۔

اللہ رب العزت ان کی کوششیں قبول فرمائے اور اولاد کو بھی خادم قرآن بنائے۔ آمین! وہ حقیقی معنوں میں ان اشعار کا مصداق تھے ؎

عزم تھا اس کا جواں ایماں کا دھارا تھا وہ
داعیٔ دینِ خدا عظمت کا مینارہ تھا وہ
گلشن اسلام کا وہ اِک گل نایاب تھا
اور پھر تنظیم اسلامی کا بھی تارہ تھا وہ
دل میں اس کے عالمِ انسانیت کا درد تھا
بس اسی غم میں سدا رہتا بھی سیپارہ تھا وہ
یاالٰہی نور سے بھر دے تو اس کی قبر کو
بندۂ مومن، تیرے محبوبؐ کا پیارا تھا وہ
وقتِ رخصت کر گیا عالم کو وہ اِک سوگوار
سانس کی ٹھنڈک تھا وہ، پُرنور نظارہ تھا وہ

تعزیت نامہ

تنظیم اسلامی حلقہ لاہور (غربی) کے امیر جناب محمد جہانگیر صاحب 26 اگست کی رات کو قضائے الٰہی سے وفات پا گئے۔ اناللّٰہ وانا الیہ راجعون۔ اس اچانک موت نے تنظیم اسلامی کے رفقاء کو صدمے سے دوچار کر دیا۔

وہ تنظیم اسلامی کا قیمتی سرمایہ تھے۔ بہت سی خوبیاں مرحوم کا خاصہ تھیں۔ وہ ایک اعلیٰ منتظم، خوش مزاج اور شفیق ساتھی ہونے کے ساتھ تقویٰ کی حامل شخصیت تھے۔ ان کا تحمل اور بردباری تنظیمی ذمہ داران کے لیے قابل تقلید ہے۔ وہ خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے تنظیم اسلامی کی دعوت کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے زندگی کی آخری سانس تک سرگرم عمل رہے۔ ان کی زندگی تنظیم اسلامی کے رفقاء کے لیے رول ماڈل کی حیثیت رکھتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کے اچھے اعمال کو قبول فرمائے، ہر کوتاہی سے درگزر فرمائے، ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور آخرت میں اعلیٰ درجات عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

حلقہ کراچی جنوبی کے تحت رمضان المبارک میں پروگراموں کی تفصیل

الحمدللہ اس سال ماہ رمضان المبارک میں حلقہ کراچی جنوبی کے تحت نو مقامات پر دورہ ترجمہ قرآن اور سات مقامات پر خلاصہ مضامین قرآن کا انعقاد کیا گیا۔ مجموعی طور پر تشہیر کے لیے 625 بڑے بینرز، 2,300 پول ہینگرز، 23,100 سحرو افطار کارڈز، 8,000 سحرو افطار پاکٹ کارڈز، 23,000 ہینڈ بلز اور 5 ہورڈنگ بورڈ استعمال کیے گئے۔ دیگر تفصیل درج ذیل ہے۔

دورہ ترجمہ قرآن

01۔قرآن اکیڈمی ڈیفنس: یہاں مدرس کے فرائض جناب عامر خان نے انجام دیے۔ روزانہ اوسطاً 700 حضرات وخواتین نے شرکت کی جبکہ آخری عشرے میں یہ تعداد بڑھ کر 1000 تک جا پہنچی۔ ہمیشہ کی طرح اعتکاف کا انتظام بھی کیا گیا۔ 200 رفقاء واحباب نے مسجد میں اعتکاف کیا۔ معتکفین کے لیے روزانہ بعد نماز ظہر تربیتی لیکچرز کا اہتمام کیا جاتا رہا جبکہ جناب اویس پاشا قرنی کے ساتھ سوال وجواب کی ایک نشست کا اہتمام بھی کیا گیا۔

02۔گلستان انیس کلب: یہاں مدرس کے فرائض جناب اویس پاشا قرنی نے انجام دیے۔ اس دورہ کو قرآن اکیڈمی کی ویب سائٹ پر براہ راست نشر کیا گیا۔ شرکاء کی حاضری کم و بیش 500 حضرات اور 300 خواتین رہی۔ پروگرام کے دوران تذکیر بالقرآن کورس کا انعقاد بھی کیا گیا۔ ایک خصوصی اجتماع کا انعقاد بھی کیا گیا جس کا مقصد انجمن خدام القرآن کا تعارف، مستقبل کی منصوبہ بندی اور انجمن کی رکنیت کے لیے احباب کو ترغیب دلانا تھا۔ اس موقع پر شرکاء کے لیے افطاری کا انتظام بھی کیا گیا تھا۔

03۔الحمد گارڈن: اس مقام پر مدرس کے فرائض جناب راشد حسین شاہ نے انجام دیے۔ اوسطاً 140 حضرات اور 25 خواتین نے شرکت کی۔

04۔لٹل ماسٹر اسکول: مدرس کے فرائض جناب محمد نعمان نے انجام دیے۔ اوسطاً حاضری بشمول خواتین 125 رہی جبکہ طاق راتوں میں حاضرین کی تعداد 300 سے زائد رہی۔ صبح 9 سے دوپہر 12:30 تک اسکول میں خواتین کا دورہ ترجمہ قرآن ہوا۔ اوسطاً حاضری 30 سے 40 رہی۔

05۔حنا گارڈن: مدرس کے فرائض جناب انجینئر نعمان اختر نے ادا کیے۔ اوسطاً 150 حضرات اور 100 خواتین شریک ہوتی رہیں۔ ہر اتوار کو عصر تا مغرب اہم دینی موضوعات پر مذاکرہ کا انعقاد کیا جاتا رہا۔ تذکیر بالقرآن کورس کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔

06۔راج محل لان: مدرس مفتی طاہر عبداللہ صدیقی تھے۔ روزانہ اوسطاً 75 حضرات اور 75 خواتین شریک ہوتی رہیں۔

07۔مکہ پیلس لان: مدرس حافظ محمد وقار تھے۔ روزانہ اوسطاً 30 حضرات اور 30 خواتین نے شرکت کی۔ طاق راتوں میں یہ تعداد بڑھ کر 70 حضرات اور 60 خواتین تک پہنچ جاتی تھی۔ تذکیر بالقرآن کورس کا بھی انعقاد کیا گیا۔

08۔قرآن مرکز لانڈھی: مدرس کی ذمہ داری حافظ عمیر انور کی تھی۔ اہلیہ کی علالت کے سبب وہ درس کو جاری نہ رکھ سکے تو مترجم کے فرائض محمد ہاشم نے ادا کیے۔ حضرات وخواتین کی اوسط حاضری 150 رہی۔

09۔قرآن مرکز ڈیفنس: مدرس جناب ڈاکٹر سعد اللہ تھے۔ 18 ویں رمضان المبارک کو صرف حضرات کے لیے ایک سوال و جواب کی نشست اور ساتھ ہی افطاری کا اہتمام کیا گیا، جس میں 15 احباب اور 10 رفقاء شریک ہوئے۔ دورہ ترجمہ قرآن میں اوسطاً 70 حضرات اور 40 خواتین باقاعدگی سے شریک ہوتے رہے۔

خلاصہ مضامین قرآن

01۔ریڈیسن لان: مدرس کے فرائض انجینئر فیصل منظور نے سرانجام دیے۔ پہلے سیشن میں 12 رکعات کا خلاصہ بیان کیا جاتا تھا۔ چائے کے وقفہ کے بعد 8 رکعات کا خلاصہ بیان کیا جاتا۔ اس مقام پر 40 خواتین جبکہ 30 حضرات شریک ہوتے رہے۔ تذکیر بالقرآن کورس میں 8 مرد اور 15 خواتین نے حصہ لیا۔

02۔سیفرون لان: مدرس کے فرائض جناب عاطف اسلم نے ادا کیے۔ اس مقام پر باقاعدگی کے ساتھ 70 خواتین اور 30 مردوں نے شرکت کی۔

03۔برمکان کرنل محمد امین صاحب: کرنل صاحب کا مکان جامع مسجد زمزمہ سے متصل ہے۔ تراویح مسجد میں ادا کرنے کے بعد احباب کو خلاصہ کے لیے دعوت دی گئی۔ مدرس کے فرائض جناب نعمان آفتاب نے ادا کیے۔ اس مقام پر 5 حضرات شریک ہوتے رہے۔

04۔جونا گڑھ گھانچی ہال: یہاں مدرس کے فرائض جناب عبید احمد نے ادا کیے۔ اوسطاً حضرات کی تعداد 20، خواتین کی 35 رہی۔ شریک حضرات وخواتین سے کوائف وتاثرات فارم بھی پُر کروائے گئے۔

05۔VIP بلدیہ لان: مدرس جناب محمد رضوان تھے۔ رفقاء واحباب کی اوسط تعداد 40 جبکہ خواتین کی تعداد 90 رہی۔ آخری عشرے میں تعداد میں مزید اضافہ ہوا۔ 24 رمضان کو فہم دین پروگرام کا انعقاد کیا گیا، جس میں 30 رفقاء واحباب نے شرکت کی۔

06۔مسلم جم خانہ کلب (صدر): یہاں مدرس کے فرائض آغا آصف حسین نے انجام دیے۔ حضرات کی اوسط تعداد 12 جبکہ خواتین کی تعداد 60 رہی۔ آخری عشرے میں خواتین کی تعداد 100 ہوگئی تھی۔

07۔ماسٹر سوسائٹی موٹرز: مدرس جناب سرفراز احمد تھے۔ اوسطاً 20 حضرات اور 15 خواتین شریک ہوتی رہیں۔ (رپورٹ: محمد سہیل)

فاران کلب کراچی میں امیر محترم کا خطاب عام

امیر محترم کے دورہ کراچی کے موقع پر 2 اگست بعد نماز عشاء فاران کلب میں ایک خطاب عام کا انعقاد کیا گیا جس کا موضوع تھا ''استحکام پاکستان کی واحد بنیاد''۔ اس کے لیے جناب وسیم میمن کو ناظم مقرر کیا گیا۔ تشہیر کے لیے 50000 ہینڈ بلز تقسیم کیے گئے۔ 26 بڑے پینا فلیکس شہر کے اہم مقامات پر لگائے گئے۔ یہ خطاب کراچی کے دونوں حلقوں کے تحت منعقد ہوا۔ حافظ اسامہ علینے تلاوت قرآن کی سعادت حاصل کی۔ جناب نعمان اختر نے نظامت کی ذمہ داری ادا کی۔

امیر محترم نے فرمایا کہ پاکستان 27 رمضان المبارک کو وجود میں آیا لیکن اس کے بارے میں ہماری اکثریت لاعلم ہے۔ پاکستان بڑی قربانیوں کے بعد ہمیں ملا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ملک کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ اس ملک کا وجود میں آنا خاص قدرت خداوندی ہے۔ ہم نے یہ ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا۔ ''پاکستان کا مطلب کیا: لاالٰہ الا اللّٰہ'' بچہ بچہ کی زبان پر تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ ملک حاصل کرنے کے بعد ہم نے اسلام کے لیے کوئی محنت نہیں کی بلکہ انگریز کے چھوڑے ہوئے نظام کو سینے سے لگالیا۔ ہمارے دو بڑے جرم ہیں۔ ایک ہم نے اللہ کے وعدہ سے بغاوت کی، اس ملک پاکستان میں دین کو نافذ نہیں کیا۔ دوسرا ایک خالص اسلامی ملک افغانستان کو ختم کرنے کے لیے کفار کا ساتھ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اب ہم پر عذاب کی مختلف صورتیں طاری ہیں۔ دنیا میں ہماری کوئی عزت نہیں ہے۔ گرین پاسپورٹ ایک گالی بن گیا ہے۔

انہوں نے فرمایا کہ اب بھی ہمارے لیے واحد جائے پناہ یہی ہے کہ ہم اپنی انفرادی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے احکامات پر مکمل عمل کریں اور اجتماعی سطح پر پاکستان میں شریعت کو نافذ کریں ورگرنہ اس کی سالمیت بلکہ اس کا وجود بھی شدید خطرہ میں رہے گا۔ اس اجتماع کا اختتام امیر حلقہ کراچی شمالی کی دعا پر ہوا۔ تقریباً پندرہ سو احباب ورفقاء نے شرکت کی۔ (مرتب: نوید مزمل)

Mass migration: Destroyer of empires and super powers

There is much the ancient world can still teach us, and one of the key lessons today is that mass migration - motivated by war, societal collapse, and poverty - is capable of destroying even the mightiest of empires.

At the height of its power, the Roman Empire was so vast and omnipotent that it was run on the basis of the dictum: "Roma locuta est. Causa finita est" (Rome has spoken. The cause has finished).

The names of its most powerful figures are familiar to us all too well – Pompey, Caesar, Augustus, Nero, Hadrian, Vespasian, Constantine – men whose rule over the ancient world was so dominant that the only threat they faced came from within Rome itself.

Indeed, it would have been the very definition of insanity to claim that an empire stretching from the Italian peninsula all the way across Western Europe and down into North Africa and the Middle East, enforced by legions whose very presence in the field of battle induced terror in any army unwise enough to challenge its writ, was anything other than invincible and eternal.

Yet in the year 476 AD what was then known as the Western Roman Empire came to an abrupt end after a century of successive barbarian invasions finally succeeded in bringing Rome to its knees. The symbols of its power - in the form of the emperor's imperial vestments, diadem, and purple cloak - were sent to Constantinople, the seat of power of the eastern half of the empire. Thus the curtain was closed on Rome's 'glorious' 1000-year history. It was proof that no empire, regardless of its economic and military power, lasts forever.

In truth, Rome's demise had been a long time coming; the contradictions of an empire run on the basis of slavery, oppression, tribute, and plunder were so great it was inevitable they would become insurmountable in time. Under Rome's rule millions lived in poverty and squalor, supporting elite whose wealth and ostentation was obscene and increasingly untenable.

Any economic system that operates on the basis of coercion, domination, and super exploitation gives rise to resistance. This in turn leads to more force, more military power, having to be deployed to maintain the status quo. However this can only succeed in fomenting further resistance and with it destabilization, which in turn acts as a catalyst for the mass movement of people seeking sanctuary from the chaos that results.

This, in sum, is what brought down the Roman Empire. Moreover, it is a process the early stages of which are evident today with a growing migration crisis that is starting to chip away at the foundation of Western hegemony.

Almost one and a half millennium on, both in Europe and the United States the issue of immigration and migration has already succeeded in producing a sense of panic within governments and the political classes, to the point where political formations, parties, and movements have come to the fore in direct response to it.

In the US the billionaire real estate mogul, Donald Trump, is riding high in the polls as the most likely to win the Republican nomination for the US presidential elections next year. He has vowed to build a wall "greater than the Chinese Wall" along the US-Mexico border if elected president, citing 'illegal immigration' as the most important issue facing the United States today.

You would think that the gross generalizations of migrants from south of the border he has employed so liberally – describing them as rapists, criminals, murderers, etc. – would be so

unpalatable and objectionable that he would have seen his chances of winning the nomination ended long before now. On the contrary, with every speech and interview Trump is streaking further ahead of the other candidates to such an extent it has left commentators and political pundits scratching their heads in disbelief.

In Europe, meanwhile, migration from Africa and the Middle East has likewise resulted in an increasingly irrational and militant response on the part of the political mainstream. Britain has just announced an agreement with France over the issue of migrants at Calais, who are stuck in makeshift camps in a state of limbo from where they regularly attempt to cross the Channel in the back of trucks or even, in one case, almost reaching the other side of the Channel Tunnel on foot.

Their desperation to reach Europe is no surprise given the chaos they have left behind. Syria, Libya, Eritrea, Somalia, Afghanistan, Iraq - with each year that passes more countries in Africa and the Middle East fall prey to chaos, carnage, and destabilization; thanks to the ruthless military and economic strategies of the West.

The people fleeing these conditions are victims of a global economy that itself is in crisis, exposing the incontrovertible fact that the development and huge wealth of the northern hemisphere is based on the under-development and crippling poverty of the southern hemisphere. That added to the equally inhumane global military 'expeditions to liberate the poor and disadvantaged' – or so they call it – thread all of the conflict and seemingly unconnected crises we are living through in today's world to these two indisputable facts.

Unsurprisingly, the political classes sitting at the apex of this unsustainable reality are in denial, refusing to countenance for a moment their role as authors and architects of a world that creeps ever so closer to the abyss. It is a congenital disorder they share with their Roman antecedents. Like them they are increasingly attached to the deployment of force and hard power to deal with the symptoms of the gross inequality and inequity that underpins the global economic and political system. In so doing they continue to deepen rather than alleviate the problem.

As the Roman philosopher, Seneca, reminds us: "For greed all nature is too little."

Donald Trump is no Seneca. He is, instead, a monster created by an apparatus of greed and rampant individualism that will, if unchecked, lead inexorably to its own destruction.

The scenes of desperate humanity we are currently witnessing at the Channel port of Calais and in Macedonia are the product of a world underpinned by greed and the philosophy that says "might is right." It cannot last on this basis for long. What is more, it doesn't deserve to!

Source adapted from: **http://www.rt.com/op-edge/**

غلبہ و اقامتِ دین کی جدوجہد کا حُدی خواں ‌ ‌ تنظیم اسلامی کی انقلابی دعوت کا ترجمان

ماہنامہ میثاق لاہور

شمارہ ستمبر 2015ء
ذوالقعدہ ۱۴۳۶ھ

اجرائے ثانی: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

مشمولات

☆ اُردش — ایوب بیگ مرزا
☆ اسلام میں عدل وانصاف کی اہمیت (مطالعہ حدیث) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ
☆ ہجرِ قرآن اور اس کے مختلف مظاہر — جمیل الرحمٰن عباسی
☆ قرآن کریم کی اصولی باتیں — ڈاکٹر عمر بن عبداللہ المقبل
☆ حافظ نوید احمد منزل پا گئے! — ڈاکٹر ضمیر اختر خان
☆ روحانی باپ کی ناقدری کا بڑھتا ہوا رجحان — عتیق الرحمٰن قریشی
☆ میری خوش نصیبی...... الحمدللہ — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ
☆ تاریخِ خلافت — شجاع الدین شیخ

محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا ''بیان القرآن'' باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے!

☆ صفحات: 100 ☆ قیمت فی شمارہ: 25 روپے ☆ سالانہ زرتعاون (اندرون ملک) 250 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور